رمضان وروزہ

(احکام ومسائل ☆ تحقیق ودلائل)

شہر رمضان الذی أنزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا أو علی سفر فعدۃ من أیام أخر









تالیف وپیشکش

الشیخ محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ

ترتیب وتدوین

ام محمد شکیلہ قمر صاحبہ



توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)



❖ نامِ کتاب: رمضان وروزہ

(احکام ومسائل؛ تحقیق ودلائل)

❖ تالیف وپیشکش: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

❖ ترتیب وتدوین: ام محمد شکیلہ قمر۔ الدمام

❖ کمپوزنگ: ابومحمد شاہد ستار۔ الخبر

❖ طبع اوّل: ۱۴۳۰ھ ، ۲۰۰۹ء

❖ تعداد: ۳۰۰۰

❖ ناشر: توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

ہندوستان میں ملنے کے پتے

1- توحید پبلیکیشنز
ایس.آر.کے.گارڈن
فون:۲۶۶۵۰۶۱۸، بنگلور۔۵۶۰ ۰۴۱

2-چارمینار بک سنٹر
چارمینار روڈ، شیواجی نگر، بنگلور۔۵۶۰ ۰۵۱

3-دار التوعية
اسلامی سی۔ڈیز، کیسیٹس اور بک ہاؤس۔
نمبر:۷، فرسٹ کراس، چارمینار مسجد روڈ
فون:۰۸۰۔۲۵۵۴۹۸۰۴
شیواجی نگر، بنگلور۔۵۶۰۰۵۱

1-S.R.K.Garden,Phone# 26650618
BANGALORE-560 041
2-Charminar Book Center
Charminar Road,Shivaji Nagar,
BANGALORE-560 051
3-Darul Taueyah
Islamic Cassettes,Cds & Books House,
Door# 7,Ist Cross
Charminar Masjid Road
SivajiNagar Bangalore-560 051
Tel:080-25549804

آئینہ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
51	⑮ ٹیکہ لگوانا	۴۳
52	روزے کے مبطلات	۴۴
52	① جان بوجھ کر کچھ کھا پی لینا	۴۵
53	② جماع کرنا	۴۶
54	③ عمداً قے کرنا	۴۷
54	④ حیض ونفاس	۴۸
55	⑤ کچھ نِگل لینا	۴۹
55	⑥⑦ سحری اور افطار میں غلطی	۵۰
57	⑧ استمناء	۵۱
57	اصحابِ رُخصتِ قضاء	۵۲
57	① مریض یا بیمار	۵۳
59	② عمر رسیدہ	۵۴
60	③④ حامل ومرضع	۵۵
61	⑤⑥ حیض ونفاس والی	۵۶
61	⑦ مسافر	۵۷
63	مسافر کیلئے روزہ کے احکام اور قضائے رمضان	۵۸
63	روزہ رکھ کر افطار کر لینا	۵۹
65	افضل؟	۶۰
65	مسافتِ قضاء	۶۱
66	ایام واندازِ قضاء	۶۲
67	لیلۃ القدر	۶۳
67	فضائل وبرکات	۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر



حکایتِ دل

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ،وَ نَعُوْذُ بِا للّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَا لِنَا، مِنْ یَّھْدِہٖ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ،وَ مَنْ یُّضْلِلُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ گرامی !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماہِ رمضان المبارک اور روزہ کے فضائل ومسائل اور اس موضوع سے متعلقہ ضعیف ومن گھڑت احادیث پر مختصر انداز کے ہمارے چار رسائل شائع ہوکر آپ تک پہنچ چکے ہیں، جبکہ یہ اسی سلسلہ کی پانچویں کتاب ہے جسمیں ہم نے کافی تفصیل کے ساتھ روزہ کے احکام ومسائل بادلائل ذکر کردیئے ہیں۔

یہ کتاب دراصل ہماری ان ریڈیائی تقاریر کا ایک حصہ ہے جو متحدہ عرب امارات کے ریڈیوام القیوین کی اردوسروس سے روزانہ پروگرام ''دین ودنیا'' کے تحت نشر ہوئیں۔ پہلے ریڈیو اور پھر کیسٹوں اور سیڈیز کے ذریعے ہمارے سامعین نے ان تقاریر سے استفادہ کیا اور اب ہم انہیں اپنے قارئین کی خدمت میں کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

اس کتاب کا آغاز ہم نمازِ تراویح کے مختصر تذکرہ سے کررہے ہیں کیونکہ تراویح کے مفصل مسائل بادلائل پر ہماری کتاب الگ سے شائع ہوچکی ہے۔وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

اسی طرح ماہِ رمضان وروزہ سے متعلقہ بعض مسائل واحکام مثلاً:

①فرضیت ورکنیتِ روزہ قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

②بچوں کے روزوں کا حکم۔

③لفظِ رمضان وصوم کا لغوی معنیٰ ومفہوم اور وجہ تسمیہ۔

④ماہِ رمضان کو صرف رمضان کہنا۔

⑤شک کے دن یا سلامی واستقبال کا روزہ۔

⑥ایامِ رمضان کی تعداد۔

⑦رؤیتِ ہلال واختلافِ مطالع۔

⑧ایک ملک میں روزوں کا آغاز کر کے دوسرے ملک میں عید کرنے والوں کیلئے احکام۔

⑨طویل الاوقات علاقوں میں روزے کا حکم وغیرہ۔

یہ مذکورہ مسائل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''فضائلِ رمضان وروزہ'' میں بیان کردیئے اور اسی میں انوار وتجلّیات، فضائل وبرکات اور فوائد وثمراتِ رمضان وروزہ بھی مذکور ہیں جنہیں ان مسائل کی تفصیل مطلوب ہو وہ مشارالیہ کتاب کا مطالعہ کرلیں۔

اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس خدمت کو شرفِ قبول سے نوازے اور ہم سب کیلئے اسے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے۔

ہم اپنے دوست جناب شاہد ستار صاحب (انجنیئر ،کانو کمپنی ،الخبر) کے شکرگزار ہیں، جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بڑے خلوص ومحبت کے ساتھ بعض دیگر رسائل کی طرح ہی اس کتاب کی کمپوزنگ کی۔فَجَزَاهُ اللّٰهُ فِي الدَّارَيْنِ وَوَهَبَ لَهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ.

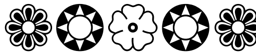
ایسے ہی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے دوست جناب محمد رحمت اللہ خان صاحب (ایڈووکیٹ ،الخبر) کا شکریہ ادا نہ کریں، جنکا خلوص ومحبت اور دعائیں ہمارا حوصلہ

بڑھاتی ہیں اور وہ ہماری کتابوں، سیڈیوں اور کیسٹوں کو ہندوستان میں عام کرنے کے جذبے سے سرشار شب وروز مصروفِ کار رہتے ہیں۔ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ جُھُوْدِہٖ وَاَوْقَاتِہٖ۔ آمین

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ، الخبر
وداعیہ متعاون، مراکز دعوت وارشاد
الدمام، الظہران، الخبر

الخبر، سعودی عرب
۲۱/جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
۱۶/مئی ۲۰۰۹ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمازِ تراویح

جب ماہِ رمضان المبارک کا چاند رؤیت یا شہادت وخبر کی بناء پر ثابت ہو جائے تو وہ رات ماہِ رمضان کی پہلی رات شمار ہوتی ہے اور اگر مناسب وقت پر چاند نظر آجائے یا اسکے نظر آجانے کی اطلاع مل جائے تو اُسی رات نمازِ عشاء کے بعد نمازِ تراویح کا آغاز ہو جاتا ہے۔

نمازِ تراویح کا حکم :

قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کا ادا کرنا فرض نہیں بلکہ سنّت ہے، اور اس سلسلہ میں آئمہ وفقہاءِ مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا وہ حضرات جو جھٹ سے فتویٰ داغ دیتے ہیں کہ جس نے تراویح نہ پڑھی اسکا کوئی روزہ نہیں، انہیں اپنے اس قول کی اصلاح کر لینا چاہیئے۔

رکعاتِ تراویح کی تعداد :

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں، علاّمہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں، امام شوکانی نے نیل الاوطار میں، علاّمہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اور دیگر آئمہ وفقہاء اور اہل علم نے اپنی اپنی کتب میں عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد والے مختلف لوگوں سے رکعاتِ تراویح کی مختلف تعداد نقل کی ہے۔ ان میں بغیر وتر کے اور وتر سمیت گیارہ (11) اور تیرہ (13) رکعتیں بھی منقول ہیں اور نمازِ تراویح ہی کی سولہ (16)، بیس (20)، چوبیس (24)، اٹھائیس (28) چونتیس (34)، چھتّیس (36)، اڑتیس (38)، انتالیس (39)، چالیس (40)، اکیالیس (41)، چھیالیس (46)، سینتالیس (47)، اور انچاس (49) رکعتیں بھی منقول ہیں۔ [1]

[1] دیکھیئے: فتح الباری ۲۵۳/۴ـ۲۵۴، عمدۃ القاری ۱۷۸/۷/۴، ۲۰۴ـ۲۰۵ـ۶/۱۱/۱۲۶ـ۱۲۷، نیل الاوطار ۵۳/۳/۲ تحفۃ الاحوذی ۵۲۲/۳ـ۵۳۲ مجالس شہر رمضان للعثیمین ص: ۱۸ـ۱۹

ایک عام آدمی رکعاتِ تراویح میں اختلاف کی یہ بھرمار دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ آخر صحیح بات کیا ہے؟ اوراس اختلاف کا حل کیا ہے؟

مسنون عددِتراویح:

ہم یہاں گیارہ (11) سے لیکرانچاس (49) رکعات تراویح کے سلسلہ میں پائے جانے والے اقوال، انکے دلائل اورتوجیہات کے تذکرہ سے بات کوطول نہیں دینا چاہتے ،اہلِ علم اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں، ہمارے سامنے صرف ایک ہی نقطہ ہے،اور ہم اسے ہی زیرِ بحث لارہے ہیں اوروہ نقطہ ایک سوال ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ اورآثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں نمازِ تراویح کا مسنون عدد یا مسنون نمازِ تراویح کی کتنی رکعتیں ہیں؟

مسنوں عددِ تراویح کے سلسلہ میں صحیح احادیث،آثارِصحابہ،سعودی علماء کے اقوال،سعودی دارالافتاء کے فتاویٰ اور چالیس سے بھی زیادہ علماء وفقہاءِ احناف کی کتب سے ثابت کیا ہے کہ وہ عددِ مسنون گیارہ (11) ہے،اور یہ ساری تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''نمازِ تراویح؛سعودی علماء کے فتاویٰ اورحرمین شریفین میں تراویح'' میں ذکرکردی ہے۔ [1]

سحری کے مسائل واحکام

① روزے کی نیّت:

ہرشرعی کام کے لیئے نیّت ضروری ہے جیسا کہ صحیح بخاری شریف جیسی بلند پایہ کتاب میں ارشادِنبوی ﷺ ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) [2]

''اعمال کا دارومدارنیّت پرہے۔''

---

[1] 112 صفحات کی یہ کتاب مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ اورتوحید پبلیکیشنز بنگلورنے شائع کی ہے۔

[2] بخاری مع الفتح ۱/۹۔

اور روزہ بھی چونکہ ایک دینی فریضہ ہے، لہٰذا اسکے لیئے بھی نیّت ضروری ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی و دارقطنی، ابن خذیمہ و ابن حبان اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ لَّمْ یُجْمِعِ الصِّیَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِیَامَ لَهٗ)) [1]

''جس شخص نے فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیّت اور پختہ ارادہ نہ کیا، اسکا کوئی روزہ نہیں۔''

معانی الآثار طحاوی وغیرہ میں یُجْمِعِ کی بجائے یُبَیِّتْ ہے، جبکہ مفہوم ومعنیٰ دونوں کا ایک ہی بنتا ہے۔ ابن ماجہ و دارقطنی اور ابن ابی شیبہ میں ہے:

((لَا صِیَامَ لِمَنْ لَّمْ یُفْرِضْهُ مِنَ اللَّیْلِ)) [2]

''اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جو رات کو اسکا پختہ ارادہ و نیّت نہ کرے۔''

ان اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث سے رات کے وقت یا قبل از فجر روزے کی نیت کر لینے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نیّت کیا ہے؟ نیّت محض دل کا قصد وارادہ ہے اور اسے ادا کرنا (تلفّظ) ثابت نہیں ہے، خصوصاً نماز و روزہ اور غسل و وضوء وغیرہ کی نیّت زبان سے کرنا نبی اکرم ﷺ، خلفاء راشدین اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام و آئمہ عظام رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ البتہ حج و عمرہ اور قربانی کی نیّت کا تلفّظ (زبان سے ادا کرنا) ثابت ہے، جیسے ایک حدیث میں ہے:

((اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ عَنْ شُبْرُمَةَ))

''اے اللہ! میں شبرمہ کی طرف سے حج کیلئے حاضر ہوا ہوں۔''

[1] الارواء ۲۵/۴ و صحیحہ مشکوٰۃ ۶۲۰/۱، الفتح الربانی ۲۷۵/۹، ۲۷۶؛ تلخیص الحبیر ۱۸۸/۲/۱؛ دارقطنی ۱۷۲/۲/۱ طبع نشر السنہ، ملتان

[2] الارواء ۲۷/۴ و تلخیص الحبیر ۱۸۸/۲/۱؛ دارقطنی ۱۷۲/۲/۱

ایسے ہی ((بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَنِّیْ وَعَنْ فُلَانٍ)) والی حدیث ہے کہ ”اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ اور تو سب سے بڑا ہے۔ یہ قربانی میری طرف سے اور فلاں کی طرف سے قبول فرما۔“ ﴿۱﴾

جن اعمال کے لیئے زبانی نیّت ثابت ہے ان کی نیّت تو زبان سے کی جا سکتی ہے، جبکہ جنکی ثابت نہیں ان کی نیّت بھی زبان سے کرنا ہرگز صحیح نہیں اور اتباعِ سنت و اطاعتِ رسول ﷺ یہی ہے کہ جہاں آپ ﷺ نے کچھ کیا وہاں آپ بھی کریں، اور جہاں آپ ﷺ نے کچھ نہیں کیا وہاں آپ بھی کچھ نہ کریں۔

② مروجہ نیّت:

یہ جو پاکٹ سائز نماز کی کاپیوں اور ہمارے ممالک میں شائع ہونے والے اوقاتِ سحری وافطاری کے تجارتی ایڈورٹائزنگ اور بعض عام سی کتابوں میں عموماً روزہ رکھنے کی نیّت لکھی ہوتی ہے:

((وَ بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَان))

”میں نے رمضان کے کل کے روزے کی نیّت کی۔“

یہ الفاظ نبیٔ اکرم ﷺ نے نہ خود کہے اور نہ تعلیم فرمائے۔ یہ نہ خلفاء و صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور نہ ہی تابعین و آئمہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے ثابت ہیں۔ کتبِ حدیث وفقہ کا سارا ذخیرہ چھان ماریں یہ الفاظ کہیں نہیں ملیں گے اور جن بعض عام سی کتابوں میں ملیں گے۔ ان میں بھی قطعاً بے سند مذکور ہونگے۔ معلوم نہیں کہ یہ الفاظ کس نے جوڑ دیئے ہیں۔ ویسے اگر تھوڑے سے غور وفکر سے کام لیا جائے تو خود ان الفاظ میں ہی انکے جعلی و من گھڑت ہونے کی دلیل موجود ہے۔ مثلاً طلوعِ صبحِ صادق کے وقت آذانِ فجر سے تھوڑا پہلے سحری کھانے سے قبل

﴿۱﴾ فتاویٰ علمائے حدیث ۶/۹۴۔۹۵

یہ کہتا ہے کہ ''میں نے کل کے روزے کی نیّت کی'' تو اسکا یہ قول واقع اور حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ فجر تو ہوچکی اور یہ روزہ جسکی وہ سحری کھانے لگا ہے، کل کا نہیں بلکہ آج کا ہے۔لہٰذا یہاں '' وَبِصَوْمِ الْیَوْمِ '' جیسے الفاظ ہونے چاہییں تھے کہ ''میں نے آج کے روزے کی نیّت کی''۔ کیونکہ کتبِ لغت میں غَدٍ کا معنیٰ لکھا ہے:

''آئندہ کل یا وہ دن جسکا انتظار ہے، یعنی قیامت کا دن''۔ جیسا کہ سورۂ حشر آیت:۱۸ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾

''اور چاہیئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ کل کیلئے اس نے آگے کیا بھیجا ہے۔''

سورۂ قمر آیت:۲۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَیَعْلَمُوْنَ غَداً مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ﴾

''اب جان لیں گے کل کو کہ کون ہے جھوٹا بڑائی مارنے والا؟''

ان دونوں مقامات پر غَدٍ سے مراد قیامت کا دن ہے، جسے عام طور پر کل بھی کہا جاتا ہے، جبکہ سورۂ یوسف آیت:۱۲ میں ہے:

﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَداً یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ﴾

''آپ اس (یوسف) کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ خوب کھائے اور کھیلے۔''

اور سورۂ کہف کی آیت:۲۳ میں ہے۔

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَداً، اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ﴾

''اور کسی کام کے بارے میں یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں یہ کل کروں گا الّا یہ کہ (ساتھ ہی) اِنْ شآءَ اللہ (بھی) کہیئے کہ اگر اللہ نے چاہا تو۔''

سورۂ لقمان آیت:۳۴ میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا﴾
''اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔''

ان مؤخرالذکر تینوں مقامات پر اس لفظ ''غد'' کا معنیٰ آئندہ کل ہی ہے۔ قرانِ کریم میں یہ لفظ انہی پانچ مقامات پر وارد ہوا ہے، جن میں سے دو کا معنیٰ روزِ قیامت اور آخری تین کا معنیٰ آئندہ کل ہے۔ نیّت کے مروجہ الفاظ ترتیب دینے والے شخص کے ذہن میں، معلوم نہیں کل کے روزے کا تصور تھا یا قیامت کے روزے کا؟ غدوّ یا غداۃ کے الفاظ صبح کے معنوں میں ہیں لیکن وہ لائے نہیں گئے۔ غرض جہاں یہ الفاظ شرعاً ثابت و جائز نہیں، وہیں لغوی اعتبار سے بھی صحیح نہیں لگتے، لہٰذا دل کی نیّت اور قصد و ارادے پر اکتفاء کرنا ہی بہتر ہے اور یہی ثابت بھی ہے۔

یوں بھی جب کوئی شخص رات کو ٹائم پیس کو چابی دے دیتا ہے۔ عورت سحری کیلئے آٹا وغیرہ تیار کر کے رکھ لیتی ہے اور چولھا ماچس سب دیکھ لیتی ہے تو یہ سارا اہتمام روزے کیلئے ہی تو ہے اور قصد و ارادے کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ [1]

③ نیّت کا لغوی و شرعی معنیٰ:

اس مسئلہ کو اور بھی آسان طریقہ سے سمجھنے کیلئے لفظِ نیّت کے لغوی و شرعی معنیٰ کا علم بہت ضروری ہے لہٰذا آپ القاموس المحیط فیروزآبادی، الصحاح للجوہری، مختار الصحاح رازی یا دوسری کوئی بھی لغت کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں یا المنجد ہی کھول لیں ن، و، ی کے مادہ سے بننے والے کلمات کے سلسلہ میں نویٰ الشئی کا معنیٰ و مفہوم واضح کرنے کے لیئے اَ یٌ قَصَدَہٗ وَعَزَمَ عَلَیْہِ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ملیں گے کہ نویٰ الشئی کا معنیٰ کسی کام کا قصد و ارادہ اور اسکا عزم کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دل کے افعال ہیں نہ کہ زبان کے۔

رہا نیّت کا شرعی معنیٰ تو اس سلسلے میں اہلِ علم نے مختلف الفاظ سے ایک ہی بات کہی

---

[1] خطباتِ مولانا مودودی ''روزہ''، طبع اسلامک پبلیکیشنز، لاہور،

ہے جو حافظ ابن حجر کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں جوانہوں نے نیّت کے شرعی مفہوم کو بیان کرنے کیلئے فتح الباری میں لکھے ہیں چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

(اَلشَّرْعُ خَصَّصَہٗ بِالْاِرَادَۃِ الْمُتَوَجِّھَۃِ نَحْوَالْفِعْلِ لِاِبْتِغَاءِ رِضَاءِ اللّٰہِ وَامْتِثَالِ حُکْمِہٖ) [1]

''شریعت نے نیّت کے الفاظ کو رضاءِ الٰہی کیلئے کسی کام کے ارادے کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔''

تو گویا اعمال میں قلبی نیّت (اور قصد و عزم) کا اعتبار ہوگا۔ زبان سے کہے ہوئے الفاظ خصوصاً جبکہ وہ خود ساختہ ہیں، معتبر نہیں ہیں۔

کبار آئمہ دین کی تصریحات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ کی نیّت کو زبان سے ادا کرنا خود ساختہ و من گھڑت فعل ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

(فَاِنَّ الْجَھْرَ بِالنِّیَّۃِ لَایَجِبُ وَلَا یُسْتَحَبُّ لَا فِیْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَلَا اَحَدٍ مِّنْ آئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ، بَلْ کُلُّھُمْ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰی اَنَّہٗ لَایُشْرَعُ الْجَھْرُ بِالنِّیَّۃِ وَمَنْ جَھَرَ بِالنِّیَّۃِ فَھُوَ مُخْطِئٌ مُخَالِفٌ لِلسُّنَّۃِ بِاِتِّفَاقِ آئِمَّۃِ الدِّیْنِ) [2]

''جہری (زبان سے) نیّت نہ واجب ہے نہ مستحب۔ نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں اور نہ ہی دیگر آئمۂ اسلام میں سے کسی کے مذہب میں بلکہ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ جہری نیّت جائز نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خطا کار ہے اور مخالفِ سنّت بھی۔ اور اس پر تمام آئمۂ دین کا اتفاق ہے۔''

[1] فتح الباری ۱/۱۳ [2] فتاویٰ کبریٰ ابن تیمیہ ۲/۳۸۵

اس کے علاوہ بھی شیخ الاسلام موصوف نے متعدد دیگر مقامات پر کئی سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے زبان سے نیّت کرنے کے عدمِ جواز اور اسکی کراہت وبدعیّت کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ:

(مَحَلُّ النِّيَّةِ الْقَلْبُ دُوْنَ اللِّسَانِ بِاتِّفَاقِ آئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ جَمِيْعِ الْعِبَادَاتِ....)

''نیّت کا مقام دل ہے نہ کہ زبان اور تمام آئمہؒ اسلام کا تمام عبادات میں ایسی ہی نیّت کے بارے میں اتفاق ہے۔''

نیّت کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے گراں قدر فتاویٰ کی تفصیل مطلوب ہو تو مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۲، ص ۲۱۷ تا ص ۲۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

علاّمہ ابن قیم رحمہ اللہ نماز کیلئے زبان سے نیّت کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

(كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً قَبْلَهَا وَلَا تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ الْبَتَّةَ) [۱]

''نبی اکرم ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو صرف اللہ اکبر کہتے۔ اس سے پہلے (نیّت وغیرہ کیلئے) کچھ نہ کہتے تھے اور نہ ہی زبان سے نیّت کے الفاظ نکالتے تھے۔''

علاّمہ موصوف مروجہ نیّت کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ کسی صحیح تو کیا کسی ضعیف حدیث میں بھی اور مسند تو کیا کسی مرسل حدیث میں بھی نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے منقول نہیں ہے اور نہ ہی تابعین اور آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے اسے مستحسن کہا ہے۔ [۲]

---

[۱] زاد المعاد ۱/۲۰۱ بتحقیق الارناؤوط

[۲] حوالہ سابقہ

④ مروجہ نیّت اور علماء وفقہاءِ احناف:

نماز یا روزے کی نیت کے بارے میں یہ بات امام نووی، امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور دیگر محقّقین علماء کے کہنے تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے علماء وفقہاءِ احناف بھی زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کو معتبر شمار نہیں کرتے۔

۱) مولانا عبدالحق دہلویؒ:

معروف حنفی عالم مولانا عبدالحق دھلویؒ مشکوٰہ شریف کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات میں نماز کی نیّت کے بارے میں لکھتے ہیں:

(علماء در نیّت اختلاف کردہ اند بعد از اتفاقِ ہمہ بر آں بجہر گفتنِ آں نا مشروع است، تلفظ شرطِ صحتِ نماز است یا نہ؟ صحیح آنست کہ شرط نیست و مشروط دانستنِ آں خطا است) [۱]

''علماء کا نماز کی نیّت کے بارے میں اختلاف ہے، جبکہ اس امر پر سبھی متفق ہیں کہ جہراً نیّت کرنا تو ناجائز ہے۔ اور اختلاف اسمیں ہے کہ لفظوں (زبان) سے نیّت کرنا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے یا نہیں؟ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ شرط نہیں اور اسے شرط ماننا غلط ہے۔''

۲) علاّمہ برہان الدین مرغینانی:

فقہ حنفیہ کی معروف کتاب ہدایہ کے باب شروط الصلوٰۃ میں علاّمہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں:

(وَالنِّيَّةُ هِيَ الْإِرَادَةُ وَالشَّرْطُ اَنْ يَّعْلَمَ بِقَلْبِهٖ اَیُّ صَلٰوةٍ يُصَلِّيْ اَمَّا الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِهٖ)

[۱] فتاویٰ علماء حدیث مولانا علی محمد سعیدی ۳/۸۷، اشعۃ اللمعات بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ جلد ۴۳ شمارہ ۱۳، بابت ۱۲/ رمضان ۱۴۱۱ھ؛ مارچ ۱۹۹۱ء

''نیّت ارادے کا نام ہے اور شرط یہ ہے کہ آدمی دل سے جانتا ہو کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ رہا زبان سے نیّت کرنا تو اسکا کوئی اعتبار نہیں۔''

آگے چل کر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے:

(وَيَحْسُنُ ذَالِكَ لِاِ جْتِمَاعِ عَزِيْمَةٍ)

''عزم کی پختگی کیلئے زبان سے نیّت کرنا اچھی بات ہے۔''

لیکن یہ انکی محض ذاتی رائے ہے جو نیّت کے لغوی و شرعی معنیٰ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ لہٰذا انکی پہلی رائے ہی قابلِ عمل ہے جو لغت و شرع ہر دو اعتبار سے نیّت کے معنیٰ کے مطابق ہے۔

۳) مولانا عبدالحئی لکھنویؒ:

ایسے ہی کبار علماءِ احناف میں سے مولانا عبدالحئی لکھنویؒ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (ص ۱۳۹) میں لکھتے ہیں:

(اَلْإِكْتِفَاءُ بِنِيَّةِ الْقَلْبِ مُجْزِئٌ اِتِّفَاقاً وَ هُوَ الطَّرِيْقَةُ الْمَشْرُوْعَةُ الْمَاثُوْرَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ e وَاَصْحَابِهٖ، لَمْ يُنْقَلْ عَنْ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ التَّكَلُّمَ نَوَيْتُ أَوْاَنْوِيْ صَلٰوةَ كَذَا فِيْ وَقْتِ كَذَا) [1]

''بالاتفاق دل سے نیّت کر لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی طریقہ منقول اور مسنون و ماثور ہے اور یہ کہنا کہ میں نے فلاں نماز اور فلاں وقت کی نیّت کی یا کرتا ہوں یہ کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے۔''

[1] عمدۃ الرعایۃ ص ۱۳۹ بحوالہ فتاویٰ علماء حدیث ۳/۸۹ و بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام ایضاً

۴) حضرت مجددؒ الف ثانیؒ:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے ''مکتوبات'' کے دفتر یا جلد اول حصہ سوم مکتوب نمبر ۱۸۶ (طبع امرتسر) میں بعض علماء کی طرف سے زبانی نیّت کے استحسان کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

(حالانکہ از آں سرور عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ الصلوٰۃ والسلام ثابت نہ شدہ، نہ بروایتِ صحیح نہ بروایتِ ضعیف و نہ از اصحابِ کرام و تابعینِ عظام کہ بزبان نیّت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت مے گفتند تکبیرِ تحریمہ می فرمودند پس نیّت بزبان بدعت باشد) [۱]

''حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ کا زبان سے نیّت کرنا کسی صحیح یا ضعیف روایت میں ثابت نہیں ہے، ایسے ہی یہ بھی ثابت نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم زبان سے نیّت کرتے ہوں، بلکہ وہ جب اقامت کہتے تو ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہتے، لٰہذا زبان سے نیّت بدعت ہے۔''

۵) مولانا عبدالغفور رمضانپوریؒ:

مولانا عبدالغفور صاحب رمضانپوری حنفی فتاویٰ مفید الاحناف (صفحہ ۳) میں لکھتے ہیں:

(قَالَ بَعۡضُ الۡحُفَّاظِ لَمۡ یَثۡبُتۡ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ بِطَرِیۡقٍ صَحِیۡحٍ وَلَا ضَعِیۡفٍ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ عِنۡدَ الۡاِفۡتِتَاحِ اُصَلِّیۡ کَذَا وَلَا عَنۡ اَحَدٍ مِّنَ التَّابِعِیۡنَ بَلِ الۡمَنۡقُوۡلُ اَنَّہٗ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَ ھٰذِہٖ بِدۡعَۃٌ) [۲]

---

[۱] فتاویٰ علمائے حدیث ۸۶/۳، ۸۷، ۸۹ ہفت روزہ الاعتصام ایضاً

[۲] مفید الاحناف از مولانا عبدالغفور رمضانپوری ص ۳ بحوالہ سابقہ

''بعض حفّاظِ حدیث نے کہا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ سے کسی صحیح تو کیا ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نماز کے شروع میں زبان سے نیّت کرتے ہوئے یہ کہتے ہوں کہ میں فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں اور نہ ہی یہ صحابہ وتابعین میں سے کسی سے ثابت ہے، بلکہ منقول یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے تھے اور یہ زبان سے نیّت کرنا بدعت ہے۔''

۶) مولانا اشرف علی تھانویؒ:

مولانا شرف علی تھانوی اپنی مشہورِ عالَم کتاب ''بہشتی زیور'' میں نماز کی شرائط کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ جس نماز کو بھی پڑھنا چاہیں اسکی نیّت یعنی دل سے ارادہ کرلیا کریں۔ [۱]

لمحۂ فکریہ:

علماء احناف کی کُتب کے ان اقتباسات کا مفاد بھی یہی ہے کہ عبادات خصوصاً نماز وروزہ کی مروجہ نیّت سراسر خانہ ساز ہے۔اوران میں سے بعض نصوص صرف نماز کی زبان سے نیّت کے بارے میں ہیں جبکہ نماز کی طرح روزے کی نیّت بھی ہے اور جسطرح نماز کیلئے یہ نیّت کرنا ثابت نہیں کہ میں نے فلاں نماز کی اتنی رکعتوں کی نیّت کی اور اس نماز کے قبلہ رو ہوکر پڑھنے اور امام کی اقتداء میں یا نفرادی طور پر پڑھنے کی صراحتیں منقول نہیں ہیں بالکل اسی طرح ہی روزے کی نیّت (وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ) بھی قطعاً ثابت نہیں بلکہ یہ جعلی وبناوٹی اور خانہ ساز ومن گھڑت چیز ہے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس قسم کی محققانہ تصریحات کے باوجود معلوم نہیں کس ضد پر اڑے ہوئے ہیں کہ خود بھی (وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ) کی رٹ لگائے چلے

---

[۱] بہشتی زیور حصہ دوم ص۱۳ طبع تاج کمپنی

جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اِسی ٹیڑھی راہ پر چلنے کی رغبت دلاتے نہیں تھکتے۔
(وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.)

شرعاً اور نقلاً یہ مروجہ نیّت ثابت نہیں اور عقلاً بھی یہ ایک بے معنیٰ سی بات ہے کہ جب رات کو ٹائم پیس کے الارم کو چابی بھر دی، چولھے میں تیل ڈال دیا، یا گیس والے چولھے کے پاس ماچس یا لائیٹر وغیرہ رکھ دیا اور صبح کے روزے کی مکمل تیاری کر لی ہے تو پھر اب منہ سے ضرور مروج الفاظ کہے گا ہی تو بات بنے گی؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ پھر یہ تو ایسے ہی ہوگا کہ کوئی شخص کھانا کھاتے وقت کہے کہ میں یہ اسلیئے کھا رہا ہوں تا کہ میری بھوک اتر جائے اور میرا پیٹ بھر جائے۔

یا کپڑا پہنتے وقت کہے کہ میں یہ کپڑا پہنتا ہوں تا کہ میرا جسم سردی یا گرمی سے بچ جائے اور میرا ستر بھی ڈھک جائے۔ [1]

غرض ان خودساختہ الفاظ کی بجائے صرف دل کے قصد وارادے پر ہی اکتفاء کرنا چاہیئے اور لغت وشرع کی رو سے اسی کا نام نیّت ہے جو کہ تمام اعمال میں مطلوب ہے۔

⑤ سحری کھانے کی برکت:

سحری کھانا مستحب عمل اور باعثِ برکت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں متعدد احادیث ثابت ہیں جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم، ترمذی ونسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((تَسَحَّرُوْا، فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَكَةً)) [2]

''سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانا باعثِ برکت ہے۔''

یہ حدیث صحیحین، سنن ترمذی ونسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور مسند احمد میں

---

[1] خطباتِ مولانا مودودی۔ روزہ
[2] مشکوٰۃ ۱/۶۱۹، المنتقی مع النیل ۲/۴/۲۲۱، صحیح الجامع ۲/۳/۴۰، الفتح الربانی ۱۰/۱۴

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [1]

نبی ﷺ نے تو اہلِ کتاب کے روزوں اور مسلمانوں کے روزوں میں وجۂ امتیاز ہی سحری کھانے کو قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی، مسند احمد اور ابن خذیمہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ)) [2]

''ہمارے اور اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے روزوں کے مابین سحری کھانے کا ہی فرق ہے۔''

لہٰذا بعض لوگ جو افطاری سے نصف شب تک کچھ نہ کچھ کھاتے پیتے ہی رہتے ہیں اور سحری کے وقت کچھ کھائے پیئے بغیر ہی سوجاتے ہیں کیونکہ اسوقت انکے پاس کچھ کھا سکنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی انکا یہ طریقۂ کار قطعاً خلافِ سنّت اور روزہ کے اجر وثواب میں کمی کا باعث ہے اور ایسا کرنے سے روزے کا ایک مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے کیونکہ روزہ طبی نقطۂ نظر سے بھی بہت سے فوائد لاتا ہے بشرطیکہ معدے پر مہینہ بھر کیلئے کچھ تخفیف رہے۔لیکن اگر دن کی کسر رات کو اس حد تک نکال لی جائے کہ سحری کے وقت چند لقمے بھی نہ کھا سکے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدھا دن کھٹی ڈکاریں لیتا پھرے گا اور حصولِ صحت تو کیا، بیزاری کا سامنا کرنا پڑے گا۔لہٰذا زیادہ نہیں تو چند لقمے ہی سہی سحری کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہیئے تاکہ سنّت پر عمل ہو جائے اور خیر وبرکت حاصل ہو۔اور سحری کھانے کی تاکید کا اندازہ اس سے ہی کیا جاسکتا ہے کہ سنن سعید بن منصور میں ہے:

((تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِلُقْمَةٍ)) [3]

''سحری کھاؤ چاہے صرف ایک لقمہ ہی کیوں نہ ہو۔''

---

[1] انظر صحیح الجامع ایضاً [2] بحوالہ جات سابقہ والفتح ۱۷۱/۱۰

[3] النیل ۲/۴/۲۲۲

بعض دیگر احادیث میں پانی سے سحری کرنے اور اسکے بھی کم از کم ایک گھونٹ پینے کا ذکر وارد ہوا ہے چنانچہ تاریخِ دمشق لابن عساکر میں حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِالْمَاءِ)) [۱]

''سحری کھاؤ چاہے وہ صرف پانی پینے سے ہی کیوں نہ ہو۔''

صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسند احمد اور المختارہ للضیاء میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور مسند ابویعلی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِجُرْعَةٍ مِّنْ مَاءٍ)) [۲]

''سحری کھاؤ چاہے وہ صرف ایک گھونٹ پانی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔''

سحری میں کوئی بھی حلال چیز کھائی جاسکتی ہے کوئی پابندی نہیں البتہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ، اَلتَّمْرُ)) [۳]

''مؤمن کی بہترین سحری، کھجور ہے۔''

اس حدیث میں سحری کے وقت بھی کھجور کھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے لہٰذا اگر محض کھجور کے ساتھ ہی سحری کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم کھانے کے ساتھ چند دانے کھجوریں ضرور کھا لینی چاہییں تاکہ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کا ثواب حاصل ہو۔ البتہ یہ واجب وضروری نہیں ہے۔

---

[۱] صحیح الجامع ۲/۳/۴۱

[۲] صحیح الجامع ایضاً والنیل ۲/۴/۲۲۱، الفتح الربانی ۱۰/۱۵۔۱۶

[۳] صحیح ابی داؤد للالبانی ۲/۴۴۶، مشکوٰۃ ۱/۶۲۲

⑥ سحری کا وقت:

سحری کھاتے رہنے کا وقت کب تک ہے؟ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم نے سورۂ بقرہ آیت: ۱۸۷ میں یہ اصول بتایا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾

''اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (رات کے) سیاہ دھاگے سے صبح کا سفید دھاگہ (سپیدۂ فجر) نمودار ہو جائے۔''

اسکی تفسیر کتبِ حدیث میں بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں وارد ہوئی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک رات) میں نے سفید اور سیاہ دو دھاگے (یا عقال) لیئے اور انہیں اپنے تکیئے کے نیچے رکھے دیکھتا رہا لیکن مجھے سیاہ وسفید دھاگے کا فرق معلوم نہ ہو سکا۔ میں نے (صبح) یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

((يَا ابْنَ حَاتِمٍ ! اِنَّ وِسَادَتَكَ اِذاً لَعَرِيْضٌ اِنَّمَا ذَالِكَ بَيَاضُ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ)) [1]

''اے ابنِ حاتم! تب تو تمہارا تکیہ بہت بڑا ہوگا (جسکے نیچے دن اور رات آگئے) سفیدی وسیاہی سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے۔''

جسطرح یہاں (سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں میں) ہم فجر کے وقت دو آذانیں سنتے ہیں ایک جگانے اور کھانے کی اور دوسری سحری بند کرنے اور وقتِ نمازِ فجر کی۔ ایسے ہی عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ہوتا تھا جیسا کہ صحیح ابن خذیمہ وصحیح ابن حبان، ابن

[1] الفتح الربانی ۱۰/۱۹، ۱۸/۸۱-۸۲

المنذر و مسند احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں آیا ہے اور پہلی آذان حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جو کہ نابینا تھے اور دوسری آذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جو کہ معروف مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بعض دیگر احادیث میں اسکے برعکس بھی آیا ہے کہ پہلی آذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسری ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کئی طرح سے ان دونوں طرح کی احادیث میں جمع وموافقت پیدا کی ہے مثلاً امام ابن خذیمہ اور ضبعی نے لکھا ہے کہ وہ دونوں باری باری پہلی اور دوسری آذان کہا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ دونوں طرح ہی صحیح ہیں اور امام ابن حبان نے یہ احتمال بڑے وثوق سے بیان کیا ہے مگر حافظ ضیاء المقدسی نے انکے جزم پر انکا تعاقب کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں پہلی اور دوسری آذانین باری باری نہیں کہا کرتے تھے بلکہ ان کا آذانِ اول وثانی کہنا دوالگ الگ حالتوں میں تھا۔ شروع شروع میں اکیلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی آذان کہا کرتے تھے اور پھر بعد میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھی انکے ساتھ شامل کردیا گیا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلی آذان کہتے رہے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دوسری۔ [1]

بہر حال ہر دو آذانوں سے پہلی جگانے اور کھانے کیلئے اور دوسری سحری کھانے سے رک جانے کیلئے تھی۔ چنانچہ ابن حبان وابن خذیمہ، ابن المنذ ر اور مسند احمد میں ہے:

((اِذَا اَذَّنَ ابْـنُ اُمِّ مَـكْتُـوْمٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا، اِذَا اَذَّنَ بِلَالٌ فَلَا تَاْكُلُوْا وَلَا تَشْرَبُوْا)) [2]

”جب حضرت ابنِ ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) آذان کہیں تو کھاؤ پیو اور جب حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) آذان کہہ دیں تو کھانا پینا بند کردو۔“

جبکہ صحیح بخاری ومسلم، مسند احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ

[1] لکتفصیل الفتح الربانی ۱۰/۳۱۔۳۲ [2] الفتح الربانی ۱۰/۲۷

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنّ بِلَالاً یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ)) [1]

''حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) رات کے وقت آذان کہتے ہیں لہٰذا انکی آذان سن کر کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) آذان نہ کہہ دیں۔''

معلوم ہوا کہ نماز کی آذان ہونے تک سحری کا وقت رہتا ہے۔

اس موضوع کی بعض دیگر احادیث بھی ہیں جن میں سے مسلم وابوداؤد، ترمذی وابن ابی شیبہ، معانی الآثار طحاوی، دارقطنی وبیہقی اور مسند احمد وطیالسی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے، بخاری ومسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد وترمذی میں طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے اور دیگر کتب میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ [2]

اور صحیح بخاری ومسلم، ترمذی ونسائی اور مسند احمد سمیت بعض دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا اور پھر مسجد کی طرف نکلے تو نماز کی اقامت ہوگئی۔ راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

((کَمْ کَانَ بَیْنَھُمَا؟))

''سحری کھانے اور اقامت ہونے کے مابین کتنا وقفہ تھا؟''

توانہوں نے جواب دیا:

((قَدْرَمَا یَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِیْنَ آیَةً)) [3]

''اسقدر کہ جسمیں کوئی شخص پچاس آیتوں کی تلاوت کرسکے۔''

---

[1] بحوالہ سابقہ ۱۰/۲۵ [2] دیکھئے: الارواء ۴/۳۰۔۳۱، الفتح الربانی ۱۰/۱۸۔۳۰

[3] بحوالہ الفتح ایضاً ۱۰/۲۸

سحری کے آخری وقت کا اندازہ اُس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے جو کہ ابوداوٴد میں ہے۔اسمیں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُکُمْ وَالْاِنَاءُ فِیْ یَدِہٖ فَلَا یَضَعْہُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَہٗ مِنْہُ)) [1]

''جب تم میں سے کوئی شخص آذان سنے اوراسکے ہاتھ میں پانی کا برتن ہوتو وہ اسوقت تک برتن ہاتھ سے نہ رکھے جب تک کہ حسبِ طلب پی نہ لے۔''

بعض احادیث میں سحری تاخیر کرکے کھانے کی ترغیب دلائی گئی اور اسے ''سنّتِ انبیاء'' کا درجہ دیا گیا ہے اور اس امت کی خیر وبھلائی کا ایک راز بھی اسے ہی قرار دیا گیا ہے۔لیکن ان احادیث پر کچھ کلام کیا گیا ہے اور چونکہ صحیح تر حدیث میں صرف افطاری میں جلدی کرنے پر یہ خیر وبھلائی وارد ہوئی ہے لہٰذا سحری کوموٴخرکرنے کا پتہ دینے والی حدیث کو''منکر'' شمار کیا گیا ہے۔ [2]

البتہ علّامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ افطار میں جلدی اورسحری میں تاخیر کا پتہ دینے والی احادیث صحیح اورحدِّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ [3]

مصنف عبدالرزاق میں عَمر بن میمون رحمہ اللہ سے مروی ہے:

((کَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَسْرَعُ النَّاسِ اِفْطَاراً وَاَبْطَأُھُمْ سُحُوْراً))(صححه الحافظ) [4]

''نبیٴ اکرم ﷺ کے صحابہ تمام لوگوں سے زیادہ جلدی روزہ افطار کرنے والے اورسحری کھانے میں تاخیر کرنے والے تھے۔''

شیخ احمد البنّا نے کہا ہے کہ افطاری میں جلدی کرنے اورسحری میں تاخیر کرنے کی سنّیت

[1] مشکوٰۃ ۱/۶۲۰ وصححہ الالبانی
[2] دیکھیئے: الارواء ۴/۳۲
[3] نیل الاوطار ۳/۵/۲۲۶ طبع المعارف الریاض
[4] بحوالہ سابقہ

ومشروعیت پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے اور کسی کا اس سے اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔ [1]

⑦ باعثِ عبرت:

یہ بات ہمارے لیئے باعثِ عبرت ہے اور آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو رات بھر تو محض اسلیئے جاگتے رہتے ہیں کہ کہیں سوئے نہ رہ جائیں اور سحری کا وقت ہی نہ گزر جائے اور پھر جونہی دو تین بجے رات کے قریب پہلی آذان کہی جاتی ہے تا کہ لوگ اٹھیں اور سحری وغیرہ پکائیں۔ وہ اتنے تک کھا پی کر سو بھی چکے ہوتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ کار ہر لحاظ سے غلط اور خلافِ سنّت ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ گھنٹوں پہلے سحری سے فارغ ہو جانے کی بجائے مسنون طریقہ اپنائیں۔

انکے اس غیر مسنون طریقہ کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ وقت سے کافی پہلے جب سحری کھا کر لیٹتے ہیں تو سستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ رتجگے کا اثر بھی ہوتا ہے اور شیطانِ لعین کی تھپکیاں بھی کہ ابھی تو اقامتِ نماز میں کافی وقت ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آنکھ لگ گئی، اولاً تو نماز ہی گئی یا پھر کم از کم جماعت کا ہاتھ سے نکل جانا تو یقینی بات ہے جبکہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے جو کہ سنّت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

افطاری کے مسائل واحکام

① افطاری میں جلدی کرنا:

متعدد احادیث تو ایسی ہیں جن میں سحری میں تاخیر کرنے اور افطاری میں جلدی کرنے کا حکم آیا ہے جنکی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں جبکہ بخاری ومسلم، ترمذی وابن ماجہ، بیہقی ودارمی اور مسند احمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۱۰/۱۴

((لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرِ))

''لوگ اسوقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک (غروبِ آفتاب کے بعد) افطاری میں جلدی کرتے رہینگے۔''

حِلیۃ الاولیاء ابونعیم اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کے الفاظ ہیں:

((لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ)) [1]

''میری امت کے لوگ اسوقت تک خیر و بھلائی پر رہینگے جب تک کہ وہ افطاری میں جلدی کرتے رہینگے۔''

غرض اس بات پر پوری امت کے آئمۂ اہلِ سنّت کا اتفاق ہے کہ روزے کا وقت غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی ختم ہوجاتا ہے لہٰذا غروبِ شمس کا یقین ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔ [2]

بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلَ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ)) [3]

''جب اُدھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ دار کو روزہ کھول لینا چاہیئے۔''

۲ افطاری میں تاخیر پر وعید:

افطاری میں بلاوجہ تاخیر کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے اور اس فعل کو یہود و نصاریٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت

[1] الارواء ۴/۳۲۔۳۳، مشکوٰۃ ۱/۶۱۹، المنتقی مع النیل ۳/۵/۲۲۶

[2] الفتح الربانی ۱۰/۵ نقلاً عن ابن عبدالبر

[3] مشکوٰۃ ۱/۶۱۹، الفتح الربانی ۱۰/۵، المنتقی مع النیل ۳/۵/۲۲۶

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَایَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِراً مَاعَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ،لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارَیٰ یُؤَخِّرُوْنَ)) [1]

"دین اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہینگے کیونکہ یہود و نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں۔"

ان تمام ارشاداتِ رسول ﷺ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سورج کے غروب ہوتے ہی (یعنی مساجد میں آذانیں شروع ہوتے ہی) روزہ افطار کرلینا چاہیئے اور تاریکی پھیلنے یا اندھیرا چھانے اور ستارے نظر آنے کا انتظار کرنا اور پھر روزہ افطار کرنا یہود و نصاریٰ کی عادت اور نبی ﷺ کی سنّت کے خلاف ہے۔

③ افطاری کیلئے مسنون اشیاء:

جہاں تک افطاری سے متعلقہ اشیاء کا مسئلہ ہے تو روزہ کسی بھی پاک وحلال چیز سے افطار کیا جاسکتا ہے اسمیں کوئی پابندی یا سختی نہیں ہے، البتہ روزہ افطار کرنے کیلئے افضل اشیاء کی ترتیب یہ ہے کہ کھجور یا چھوارے سے افطار کریں۔ اگر یہ میسر نہ آسکیں تو پھر پانی سے افطار کرلیں یا اسکے علاوہ کوئی دوسری چیز کھالیں کیونکہ ابوداؤد وترمذی، ابن ماجہ ودارمی، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت سلمان بن عامر ضبّی رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَکَةٌ،فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ)) [2]

"تم میں سے جب کوئی روزہ افطار کرے تو اسے چاہیئے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ یہ باعثِ برکت ہے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پانی سے

[1] مشکوٰۃ ۶۲۲/۱، الفتح الربانی ۱۰/۶

[2] مشکوٰۃ ۶۲۱/۱، الفتح الربانی ۱۰/۷-۸، المنتقی مع النیل ۳/۵/۲۲۷

افطار کر لے کیونکہ پانی پاک کر دینے والا ہے۔‘‘

ابوداؤد و ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ فَتُمَيْرَاتٍ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسٰى حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ)) [1]

’’نبی ﷺ نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے اور اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو خشک و پرانی کھجوروں سے افطار کرتے اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے تھے۔‘‘

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ افطار کرنے میں:

① افضل یہ ہے کہ تازہ کھجوریں ہوں۔

② تازہ کھجوریں نہ ہوں تو خشک و پرانی کھجوریں یا چھوارے ہوں۔

③ اور اگر وہ بھی دستیاب نہ ہوں تو پانی سے افطار کریں۔

اور یہ جو عوام الناس میں معروف ہے کہ کھجوریں نہ ہوں تو نمک سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ ہمیں اسکے بارے میں کوئی روایت کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی۔ ممکن ہے کئی دیگر مسائل کی طرح یہ بھی خانہ ساز ہو۔

④ افطاری کی دعاء:

بسم اللہ پڑھ کر روزہ افطار کریں تاہم روزہ افطار کرتے وقت کی ایک دعا بھی نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے چنانچہ ابوداؤد، بیہقی، ابن ابی شیبہ اور ابن السنّی میں حضرت معاذ بن زہرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تو یہ دعاء کیا کرتے تھے۔

[1] المنتقی و مشکوٰۃ ایضاً

((اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ)) [1]

”اے اللہ! میں نے تیری رضاء کیلئے روزہ رکھا اور تیرے عطاء کردہ رزق سے ہی افطار کیا۔“

اس تابعی حضرت معاذ بن زہرہ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کو نہیں پایا، لہٰذا صاحبِ مشکوٰۃ، صاحبِ اذکار اور امام شوکانی نے اسے مرسل کہا ہے۔ ہمارے فاضل دوست شیخ غازی عزیر (الجبیل) نے اس دعاء پر مبنی حدیث کو ضعیف و ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ (ترجمان دہلی جلد۱۴ شمارہ ۷ بمطابق ۶ رمضان ۱۴۱۴ھ، ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء) جبکہ علاّمہ شیخ البانی نے بھی اسے مرسل قرار دیتے ہوئے ہی لکھا ہے:

((وَلٰکِنْ لَهٗ شَوَاهِدُ یُقَوّٰی بِهَا)) [2]

”لیکن اسکے شواہد موجود ہیں جنکی وجہ سے اس کی سند تقویت اختیار کر جاتی ہے۔“

امام شوکانی نے ان شواہد کی تخریج نیل الاوطار میں کردی ہوئی ہے۔ جبکہ ابوداؤد ونسائی فی السنن الکبریٰ، دارقطنی و مستدرک حاکم، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنّی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اس دعاء کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں:

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ)) [3]

”پیاس بجھ گئی، آنتیں گیلی و سیراب ہوئیں اور اللہ نے چاہا تو ہمارا اجر لکھا گیا۔“

اس دعاء یا ان کلمات سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ روزہ افطار کرنے سے پہلے نہیں بلکہ کچھ کھا پی کر کہے جانے چاہییں جب پیاس بجھ چکی ہو اور آنتیں سیراب و گیلی ہو چکی

[1] المنتقی ۲۲۷/۵/۳، مشکوٰۃ ۶۲۱/۱، الارواء ۳۸/۴، فقہ السنہ ۴۵۸/۱ زاد المعاد ۳۳۳/۱، التلخیص ۲۰۲/۲/۱ والاذکار للنووی ص۱۷۲

[2] تحقیق مشکوٰۃ ۶۲۱/۱

[3] الارواء ۳۹/۴، التلخیص ۲۰۲/۲/۱ مشکوٰۃ ۶۲۱/۱ وحسنہ والنیل ۲۲۸/۵/۳ ونقل الشوکانی تحسین الدارقطنی لہ

ہوں۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ ہمارے یہاں جو خالص تجارتی واشتہاراتی قسم کی چھوٹی چھوٹی کتب، کیلنڈروں اور ڈائریوں وغیرہ میں دعاءِ افطار لکھی ہوتی ہے اور مروج ہے اسمیں ((اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ)) کے الفاظ والی دعاء میں یہ الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں: (وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ) یہ الفاظ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ لہٰذا جتنے الفاظ ثابت ہیں، اُنہی میں برکت ہے۔ ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگا کر مسنون دعاء کو مصنوعی نہیں بنالینا چاہیئے۔

⑤ وقتِ افطار: وقتِ قبولیتِ دعاء:

دعاء کی قبولیت کے مختلف اوقات اور مقامات ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''مسنون ذکرِ الٰہی'' مفصل اور'' آدابِ دعاء'' میں بیان کردی ہے۔ قبولیتِ دعاء کے اوقات میں سے ایک وقت، وقتِ افطار بھی ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنّی، مستدرک حاکم اور تاریخِ دمشق ابنِ عساکر میں حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

((اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ دَعْوَۃً لَا تُرَدُّ)) [1]

''روزہ دار کی افطاری کے وقت کی گئی دعاء ردّ نہیں کی جاتی۔''

ارواء الغلیل میں شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کافی تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں اسکی ایک شاہد حدیث بھی نقل کی ہے۔ [2]

بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی میں شیخ احمد البنّا نے اسے نقل کرکے لکھا ہے کہ امام بوصیری نیمصباح الزجاجہ زوائد ابن ماجہ میں اسکی سند کو صحیح کہا ہے کیونکہ اسحاق بن عبیداللہ بن حارث کے سوا تمام رواۃ بخاری کی شرط پر پورے اترنے والے ہیں جبکہ اس راوی کو بھی ابن

---

[1] الارواء ۴/۴۱، الفتح الربانی ۱۰/۱۱۔ شرح النیل ۲/۴/۲۲۱، التلخیص ۱/۲/۲۰۳ زادالمعاد ۲/۵۲ بتحقیق الارناؤوط

[2] للتفصیل الارواء ۴/۴۱۔۴۵

حبان نے ثقہ رواۃ میں شمار کیا ہے۔ [1]

علاّمہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں اس حدیث کو صیغۂ تمریض و تضعیف (یُذْکر) کے بعد نقل کیا ہے جس سے انکے رجحان کا پتہ چلتا ہے جبکہ زادلمعاد کے محقّقین شیخ شعیب الارناؤوط اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط نے مذکورہ ایک راوی کے سوا سب کو شرطِ بخاری پر پورے اترنے والے قرار دیا ہے اور اسے ابن حبان کے ثقات میں سے بتایا ہے۔ اور اسکی دو شاہد احادیث بھی نقل کی ہیں جن میں سے پہلی المختارۃ للضیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسمیں ہے:

((ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ لَا تُرَدُّ: دَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ، وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ)) [2]

”تین دعائیں ردّ نہیں کی جاتیں: والد کی دعاء اسکے بیٹے کیلئے، روزہ دار کی دعاء اور مسافر کی دعاء۔“

جبکہ دوسری شاہد ترمذی و ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے:

((ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : اَلصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ)) [3]

”تین قسم کے لوگوں کی دعاء ردّ نہیں کی جاتی، افطار کے وقت روزے دار کی دعاء، عادل حاکم کی دعاء اور مظلوم کی دعاء۔“

اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے۔ [4]

اگر ان دو شاہد احادیث کے ساتھ شیخ البانی کی ذکر کردہ تیسری شاہد حدیث کو بھی

---

[1] بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ١٠/١١١
[2] تحقیق الزاد 52/2
[3] ایضاً
[4] تحقیق زادالمعاد ۵۲/۲

شامل کرلیں جسمیں ہے:

((لِلصَّائِمِ عِنْدَ اِفْطَارِهٖ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو اِذَا اَفْطَرَ دَعَا اَهْلَهٗ وَوَلَدَهٗ وَدَعَا)) [1]

''افطار کے وقت روزہ دار کی دعاء قبول کی جاتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر و رضی اللہ عنہما جب روزہ افطار کرنے لگتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے سب مل کر دعاء کیا کرتے تھے۔''

تو اسطرح ان تین شواہد کے ساتھ مل کر افطار کے وقت کے قبولیتِ دعاء کا وقت ہونے کا پتہ دینے والی حدیث کچھ تقویت اختیار کر جاتی ہے۔

⑥ افطار کرانے کا ثواب:

کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرانا بہت بڑا کارِ ثواب ہے یہاں تک کہ ترمذی ونسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن خذیمہ اور ابن حبان میں حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

((مَنْ فَطَّرَ صَائِماً كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ الصَّائِمِ، لَا يُنْقَصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَئٌ)) [2]

''جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، اسے (افطار کرانے کا) اتنا ہی ثواب ہوگا جتنا خود روزہ دار کو ہوگا۔اور روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔''

اس حدیث سے پرانے خیالات کے لوگوں کا وہ نظریہ بھی غلط ثابت ہوا جو سمجھتے اور کہتے ہیں کہ کسی کی چیز سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہیئے ورنہ سارا ثواب وہ لے جائیگا۔ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بتا رہا ہے کہ روزہ دار کے ثواب میں بھی ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی لہٰذا اگر کوئی کسی کا روزہ

[1] الارواء ۴۴/۴ [2] الفتح الربانی ۱۰/۱۰

افطار کرانا چاہے تو اسکے ہاں افطار کرنے سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ دوسرے کو ثواب حاصل کرنے کا موقع دینا چاہیئے جبکہ اپنا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ بعید نہیں کہ اُسے ثواب کا موقع مہیّا کرنے کی نیک نیّتی پر مزید اجر و ثواب بھی ملے کیونکہ اللہ کے خزانوں میں بھلا کیا کمی ہے؟

اس ثواب کو پانے اور افطار کرانے کا معنیٰ یہ بھی نہیں کہ کسی کو پیٹ بھر ہی شام کا کھانا کھلائیں گے تبھی جا کر افطار کرانے کا ثواب ملے گا۔ نہیں، شکم سیر کرانے پر تو واقعی یہ ثواب ہے اور اگر کسی میں اتنی طاقت و استطاعت نہیں کہ وہ کسی کو ایک وقت کا پورا کھانا کھلا سکے تو وہ ایک لقمہ ہی کھلا دے، کھجور کا ایک دانہ ہی دے دے۔ دودھ کا ایک گھونٹ ہی پلا دے حتیٰ کہ پانی کا چلّو ہی پلا دے تب بھی شاید نیک نیّت اور کم استطاعت کے اعتبار سے اسے بھی افطار کرانے کا ثواب مل جائے۔ اس بات کا پتہ کئی ایک روایات سے بھی چلتا ہے لیکن انکی استنادی حیثیت مخدوش ہے۔ [۱]

روزے کے مباحات

بعض امور ایسے ہیں کہ جنکے متعلق بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ان سے روزہ فاسد یا مکروہ ہوجاتا ہے حالانکہ اُن سے نہ روزہ فاسد ہوتا ہے نہ مکروہ بلکہ یہ امور روزے کی حالت میں جائز ہیں اور انکی حرمت یا کراہت شریعت سے ثابت نہیں ہے مثلاً:

① مسواک کرنا:

جمہور اہلِ علم جن میں امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما بھی شامل ہیں، انکے نزدیک روزہ دار کیلئے مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ اُسے دن کے شروع میں کیا جائے یا آخر میں اور مسواک خشک ہو یا تر۔ کیونکہ صحیح بخاری کے ایک ترجمۃ الباب، مسند احمد اور ترمذی شریف میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

[۱] دیکھیئے: بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۱۰/۱۰۱ و مجمع الزوائد ۳/۲/۱۵۹

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. مَالَا أَعُدُّ وَلَا أُحْصِیْ یَسْتَاكُ))

((و فی روایة: یَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ)) [1]

''میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ نبی ﷺ کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۔''

ایک روایت میں پچھلے پہر مسواک کرنے کی ممانعت آئی ہے مگر وہ سند کے اعتبار سے ضعیف اور نا قابلِ حجت ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک زوالِ آفتاب کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اور انکا استدلال اس حدیث سے ہے جسمیں آتا ہے کہ روزے دار کے مُنہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو کستوری سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ [2]

مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مُنہ کی وہ بُو مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ معدے کے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ [3]

فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاویٰ عالمگیری (۱۰۲/۱) میں لکھا ہے کہ گیلی مسواک کرنے میں سب کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں اور خلاصۃ الفتاویٰ (۲۶۶/۱) میں ہے کہ:

خشک یا تر مسواک صبح وشام کرنے میں ہمارے یہاں کوئی مضائقہ نہیں۔ [4]

امام مالک رحمہ اللہ اور بعض اہلِ علم نے مسواک کے بارے میں کہا ہے کہ تازہ لکڑی کی مسواک کرنا مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے گیلی لکڑی کی مسواک کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اسمیں کوئی حرج نہیں۔اُنہیں کہا گیا کہ ایسی مسواک میں تو ذائقہ ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا: پانی بھی ایک ذائقہ دار چیز ہے مگر تم اس سے کلی کرتے ہو اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ روزے کی حالت میں

[1] الفتح الربانی ۴۶/۱۰، بخاری باب مسواک الرطب والیابس للصائم

[2] صحیح بخاری [3] الفتح الربانی ۴۷/۱۰۔۴۸

[4] جدید فقہی مسائل، ص ۹۲

خشک یاتر ہر قسم کی مسکواک کی جاسکتی ہے۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں ہر وقت اور ہر طرح کی مسواک کی جاسکتی ہے۔اورانہی تفصیلات سے ایسے منجن کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے جسمیں نمک اور سیاہ مرچ وغیرہ ملے ہوں چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں لکھا ہے کہ جسطرح تلخ (یعنی تازہ) مسواک کرنا جائز ہے ایسے ہی منجن بھی جائز ہے۔ (۱)

اب رہا ٹوتھ پیسٹ اور برش کا استعمال تو تر اور تلخ مسواک کی طرح ہی یہ بھی ہے البتہ اس میں ذائقہ بہت زیادہ ہوتا ہے اسلیئے بلا عذر اسکا استعمال کرنا کچھ مناسب نہیں۔اگر مکمل احتیاط کے ساتھ پیسٹ کے اثرات کو حلق سے نیچے اترنے سے بچالیا جائے اور مبالغے سے کام نہ لیا جائے تو اس صورت میں نبی ﷺ کی مسواک اراک (پیلو) پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی جائز ہے اور مفتیٔ عالم اسلام شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا اور بعد زوال کراہت کے قول کو بھی انہوں نے مرجوح قرار دیا ہے۔ (۲)

اگر کوئی پیسٹ برش کرلیتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ دن کو مسواک پر ہی اکتفاء کیا جائے، منجن اور پیسٹ کو رات پر ڈال لیا جائے۔

② سالن چکھنا:

صحیح بخاری شریف کے ایک ترجمۃ الباب میں مذکور بعض آثار سے تو اس بات کی گنجائش بھی ملتی ہے کہ اگر کسی وجہ سے یا مجبوری کے تحت کسی کو سالن چکھنا پڑ جائے اور چکھ کر تھوک دے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (۳)

---

(۱) بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ۶/۱۰۳

(۲) مجلۃ الدعوۃ عدد: ۱۰۴۱ بابت ۴ رمضان ۱۴۰۶ھ، ۱۲ مئی ۱۹۸۶ء

(۳) بحوالہ فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۱۶

③④ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا:

صِرف کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے سے روزہ نہ ٹوٹنے پر تمام آئمہ وعلماء کا اتفاق ہے البتہ روزے کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ سے کام لینا ممنوع ہے جیسا کہ سُنن اربعہ یعنی ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن خذیمہ اور مستدرک حاکم میں بھی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((فَاِذَا اسْتَنْشَقْتَ فَابْلِغْ اِلَّا أَنْ تَكُوْنَ صَائِماً)) [1]

"جب تم (وضوء کرتے ہوئے) ناک میں پانی چڑھاؤ تو اسمیں مبالغہ کرو سوائے اسکے کہ تم روزے سے ہو۔"

یہ تو تھیں مسواک وغیرہ منہ میں ڈالی جانے والی چیزیں کہ جنہیں نِگلا نہ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

⑤ بھول کر کچھ کھا پی لینا:

اگر روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے یہ کھانا پینا کم مقدار میں ہو یا زیادہ میں کیونکہ بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ نَسِيَ وَ هُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَاِنَّمَا اللّٰهُ أَطْعَمَهُ وَسَقَاهُ)) [2]

"جس شخص نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لیا اُسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہیئے، کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔"

دار قطنی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا اَكَلَ الصَّائِمُ نَاسِياً أَوْشَرِبَ نَاسِياً فَاِنَّمَا هُوَرِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ)) [3]

---

[1] الفتح الربانی ۱/۴۸، فقہ السنہ ۱/۴۶۱ [2] رواہ الجماعۃ الا النسائی، نیل الأوطار ۲/۴/۲۰۶

[3] رواہ الجماعۃ الا النسائی، نیل الأوطار ۲/۴/۲۰۶

''اگر روزہ دار بھول کر کچھ کھالے یا بھول کر پی لے، تو یہ رزق اُسے اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے، اُس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔''

دار قطنی، بیہقی اور ابن خذیمہ وغیرہ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فَلَا قَضَاءَ عَلَیْهِ وَلَا کَفَّارَةَ)) [1]

''اس پر نہ قضاء ہے نہ کفّارہ''۔

انہی احادیث کی بناء پر امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الأوطار (۲۰۷/۴/۲) میں لکھا ہے کہ کم یا زیادہ کھانے پینے میں کچھ فرق نہیں۔ اور اس بات کی تائید مسند احمد کی ایک ضعیف روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں پیٹ بھر کر ثرید کھالینے کے بعد حضرت ام اسحاق رحمہ اللہ کو یاد آیا کہ میں تو روزہ سے تھی۔ اس پر حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کہا:

((اَلْآنَ بَعْدَ مَا شَبِعْتِ؟)) ''اب جبکہ تم خوب سیر ہو چکی ہو۔''

تو (حسبِ روایت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتِمِّی صَوْمَکِ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَیْکِ)) [2]

''اپنا روزہ مکمل کرو، یہ رزق تھا جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔''

⑥ نہانا:

روزے کی حالت میں نہانے یا سر پر پانی ڈالنے سے بھی روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ نہانا یا سر پر پانی ڈالنا غسلِ واجب کے طور پر ہو یا گرمی و پیاس کی وجہ سے، کسی بھی شکل میں روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ ابوداؤد، نسائی، مؤطا مالک اور مسند احمد میں حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کسی صحابی سے روایت بیان کرتے ہیں:

((رَأَیْتُ النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) یَسْکُبُ عَلٰی رَأْسِهِ الْمَاءَ بِالسُّقْیَا اِمَّا مِنَ

[1] ارواء الغلیل ۸۷/۴ وحسّنہٗ الالبانی [2] ارواء الغلیل ۸۸/۴ ولکن ضعفہٗ الألبانی

الْحَرِّ وَاِمَّا مِنَ الْعَطَشِ وَهُوَ صَائِمٌ)) [1]

''میں نے نبی ﷺ کو روزے کی حالت میں گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالتے دیکھا ہے۔''

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک اپنے بدن کے بعض حصے یا سارے جسم پر پانی ڈالنا اور نہانا جائز ہے اور اسمیں واجب مسنون یا مباح غسل میں بھی کوئی فرق نہیں۔ [2]

⑦ جنابت کی حالت میں صبح کرنا:

روزے کی حالت میں نہانے کے جواز کی دلیل بخاری و مسلم وغیرہ کی اُس حدیث میں بھی ہے جسمیں حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

((قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ﷺ) يُصْبِحُ مِنْ أَهْلِهٖ جُنُباً فَيَغْتَسِلُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ الْفَجْرِ ثُمَّ يَصُوْمُ يَوْمَئِذٍ)) [3]

''نبی ﷺ اپنی کسی زوجۂ محترمہ سے جنابت کی حالت میں صبح کرتے پھر آپ ﷺ نمازِ فجر سے قبل غسل فرماتے اور آپ ﷺ اُس دن کا روزہ مکمل فرماتے۔''

اس حدیث سے جہاں روزہ دار کے غسل کا جواز معلوم ہوا وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی پر غسل واجب ہو اور سحری کا وقت ہو جائے تو وہ غسل کیئے بغیر سحری کھا سکتا ہے۔ صرف استنجاء و طہارت کر لے اور سحری کھا کر غسل کر لے تاکہ نمازِ فجر میں شامل ہو سکے۔ اسطرح بھی اُسکے روزہ پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ یہ خود بخاری و مسلم میں نبی ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ اور یہ جنابت جماع سے ہو یا احتلام سے اس میں بھی کوئی فرق نہیں۔ ایسے ہی فرض روزے

[1] الفتح الربانی ۱۰/ ۴۶ وصححه الشوکانی فی النیل ۲/۴/ ۲۱۰ وصححه الألبانی فی تحقیق المشکوٰۃ ۱/ ۶۲۵

[2] بحوالہ سابقہ أیضاً

[3] صحیح بخاری و مسلم، مؤطا والأربعہ الا ابن ماجہ، الفتح الربانی ۱۰/ ۶۹

یعنی رمضان میں ہو یا غیر رمضان کے نفلی روزوں میں سب برابر ہیں کیونکہ ایک روایت جو بخاری و مسلم میں ہی ہے اس میں ((فِیْ رَمَضَانَ)) کے الفاظ بھی ہیں کہ ایسا رمضان میں ہوتا۔ [1]

نفلی روزہ میں تو اسکا جواز بالأولیٰ ہے۔اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت جو روزہ نہ رکھنے کے بارے میں ہے اسکے بارے میں امام بیہقی سے امام ابن المنذر نے نقل کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں وہ حکم تھا جبکہ رات کو جماع کرنا حرام تھا۔پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ(بحالتِ جنابت صبح کرنا) بھی،اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کرلیا۔ [2]

اس فعلی حدیث کے علاوہ صحیح مسلم،ابوداؤد اور نسائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے:

((اَنَا تُدْرِکُنِی الصَّلٰوۃُ وَاَنَا جُنُبٌ وَاَنَا اُرِیْدُ الصِّیَامَ فَاَغْتَسِلُ ثُمَّ اُصَلِّیْ)) [3]

''مجھے جنابت کی حالت میں نمازِ فجر کا وقت آلیتا ہے اور میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں(یعنی سحری کھالیتا ہوں) پھر غسل کرتا ہوں اور روزہ مکمل کرتا ہوں۔''

⑧ احتلام:

علاّمہ ابن رُشد بدایۃ المجتہد میں فرماتے ہیں کہ:اس پر اجماع ہے کہ اگر روزے دار کو دن کے وقت سوتے میں احتلام یعنی بدخوابی ہوجائے تو اُس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [4]

⑨ بوسہ لینا اور بغلگیر ہونا:

ایسے ہی امور میں سے ایک بوسہ لینا اور بغلگیر ہونا یا گلے ملنا بھی ہے چنانچہ اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ جن میں امام ابوحنیفہ،امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔انکے نزدیک روزہ دار کیلئے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینا یا اس سے لپٹنا(بغلگیر ہونا) جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

[1] الفتح الربانی ۱۰/۷۰
[2] الفتح الربانی ۱۰/۶۶،۶۸۔۷۳
[3] الفتح الربانی ۱۰/۷۱
[4] بدایۃ المجتہد ۲/۱۰۷۔۱۰۸ و فتاویٰ علماءِ حدیث ۶/۱۰۶

((اَنَّ النَّبِیَّ (ﷺ) کَانَ یُقَبِّلُھَا وَھُوَ صَائِمٌ)) [1]

''نبی ﷺ اُن کا بوسہ لیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے تھے۔''

آپ ﷺ کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد بھی بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں بایں الفاظ مذکور ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) یُقَبِّلُ وَھُوَ صَائِمٌ وَیُبَاشِرُ وَھُوَ صَائِمٌ وَلٰکِنَّہٗ کَانَ اَمْلَکَکُمْ لِاَرَبِہٖ)) [2]

''رسول اللہ ﷺ بوسہ لیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے تھے اور آپ ﷺ لپٹا (یعنی بغلگیر ہوتے یا گلے ملا) کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ روزے سے ہوتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کو اپنی خواہش پر تم سب کی نسبت زیادہ قابو تھا۔''

صحیح مسلم شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((کَانَ یُقَبِّلُ فِیْ رَمَضَانَ وَھُوَ صَائِمٌ)) [3]

''آپ ﷺ رمضان میں روزے کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے۔''

ان الفاظ سے نفلی و فرضی روزوں کا فرق بھی ختم ہوگیا کہ یہ ہر قسم کے روزوں میں جائز ہے لیکن اگر کسی کو اپنی طبعیت پر عدمِ اختیار کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ اس بوس و کنار سے وہ اپنے آپ کو جماع یا انزال سے قابو میں نہیں رکھ سکے گا تو ایسے آدمی کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور اس کراہت پر استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ: ((وَلٰکِنَّہٗ کَانَ اَمْلَکَکُمْ لِاَرَبِہٖ)) سے کیا گیا ہے۔ البتہ ابوداؤد میں ایک روایت ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ

---

[1] متفق علیہ، نیل الاوطار ۲/۴/۲۱۰ [2] الجماعۃ الا النسائی، ایضاً

[3] ایضاً

سے ایک آدمی نے روزے کی حالت میں (اپنی بیوی سے) بغلگیر ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی پھر ایک دوسرے شخص نے آکر یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے اُسے منع کردیا۔ اور اُس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جس آدمی کو آپ ﷺ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ نوجوان تھا۔ اس روایت کے پیشِ نظر علماء نے کہا ہے کہ شہوت پر قابو نہ رکھ سکنے والے جوان آدمی کو روزے کی حالت میں بوس و کنار نہیں کرنا چاہیئے اور جو شخص اپنے جذبات پر قابو رکھ سکتا ہو اُسے اجازت ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔ [1]

⑩ سینگی لگوانا، فصد کروانا یا پچھنے لگوانا:

ایسے ہی روزہ کی حالت میں علاج کے طور پر سینگی یا پچھنے لگوا کر یا فصد کروا کر یا کسی بھی دوسرے طریقہ سے جسم کا خون نکلوانا بھی جمہور یعنی اکثر صحابہ و آئمہ کے نزدیک جائز ہے کہ اس سے روزے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ [2]

کیونکہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ (ﷺ) اِحْتَجَمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَھُوَ صَائِمٌ)) [3]

''نبی ﷺ نے (سر میں) سینگی لگوائی حالانکہ آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے اور آپ ﷺ نے سینگی لگوائی جبکہ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں تھے۔''

بخاری شریف میں ہی ہے کہ ثابت بُنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

((اَکُنْتُمْ تَکْرَھُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ)؟))

''کیا تم عہدِ نبوی ﷺ میں روزے کی حالت میں سینگی (لگوا کر خون نکلوانے) کو مکروہ سمجھتے تھے؟''۔

---

[1] للتفصیل: نیل الاوطار ۲/۴/۱۲۔۱۳، ۲۱۰، تحفۃ الاحوذی ۳/۴۲۵، فقہ السنہ ۱/۴۶۰۔۴۶۱

[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۱ [3] نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۲

تو انہوں نے فرمایا:

((لَا، اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعْفِ)) [1]

”نہیں، سوائے کمزوری کے ڈر سے۔“

بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا ہی روزہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً:

((اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ.))

”سینگی لگانے اور لگوانے والوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔“

جبکہ دار قطنی اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا اور آگے حدیث کے الفاظ ہیں:

((ثُمَّ رَخَّصَ النَّبِیُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) بَعْدُ فِی الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ))

”بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کیلئے سینگی (لگانے اور لگوانے) کی رخصت دے دی۔“

اس حدیث کے آخری الفاظ ہیں:

((وَکَانَ اَنَسٌ یَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ)) [2]

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں سینگی لگایا کرتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ سینگی کی ممانعت کا حکم پہلے تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ [3]

سینگی لگوانے کی طرح ہی فصد یا جسم کے کسی بھی حصہ سے اور کسی بھی طریقہ سے خون نکلوانا بھی ہے۔ [4]

[1] نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۲
[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۲
[3] ارواء الغلیل ۴/۳/۷
[4] فقہ السنۃ ۱/۴۶۱

البتہ اگر اسکی وجہ سے اتنا کمزور ہو جانے کا خدشہ ہو کہ روزہ دار روزہ پورا نہ کر سکے گا تو اسکے لیئے قطعاً مکروہ ہے ورنہ جائز ہے اورامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ [۱]

ان تفصیلات سے ہی اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ بلڈ ٹسٹ (Blood Test) کیلیئے معمولی سا خون نکلوانے سے بھی روزے پر اثر نہیں پڑتا۔

⑪ سُرمہ لگانا:

روزہ کی حالت میں سُرمہ لگانا ایسا موضوع ہے کہ جسکے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی صحیح حدیث ثابت نہیں (نہ لگانے کے جواز میں اور نہ منع کرنے کے بارے میں) لیکن روزہ نہ ہونے کی صورت میں سُرمہ لگانا مستحب ہے لہٰذا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک روزے کی حالت میں سُرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور امام نووی نے اپنی شرح المجموع میں صاحبِ مہذّب کے قول کہ آنکھ، معدہ تک کوئی چیز پہنچانے کا راستہ نہیں لہٰذا اسمیں کوئی چیز ڈالنے سے روزہ باطل نہیں ہوگا۔ اِسی قول کی تائید کی ہے اور ویسے بھی جب جواز اور منع کے بارے میں کوئی صحیح دلیل نہیں تو پھر جواز ہی راجح ہے۔ [۲]

علاوہ ازیں بعض ضعیف روایات سُرمہ لگانے کے جواز کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میری آنکھ خراب ہے کیا میں سُرمہ لگالوں جبکہ میں روزے سے ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ (ترمذی نے اسے بیان کر کے کہا ہے کہ اسکی سند قوّی نہیں ہے) ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزے کی حالت میں سُرمہ لگایا۔ [۳]

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۲۵/۱۵۲۔۲۵۸، نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۳

[۲] تحفۃ الاحوذی ۳/۴۲۲، الفتح الربانی ۱۰/۵۰۔۵۱

[۳] اس کی اسناد میں ایک راوی بقیہ ضعیف ہے، الفتح الربانی ۱۰/۵۰

سید سابق نے فقہ السنۃ (۴۶۰/۱) میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت متعدد آئمہ سے جواز نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ سُرمہ ہو یا کوئی قطروں والی دوا (یعنی آئی ڈراپس) اور اسکا اثر گلے میں محسوس ہو یا نہ ہو بہر حال مباح ہے کیونکہ آنکھ، معدے کو جانے والا راستہ نہیں ہے۔ البتہ قطروں کی شکل میں ناک میں ڈالی جانے والی دوا (نازل ڈراپس) کا استعمال نہ صرف مکروہ ہے بلکہ یہ روزہ ٹوڑ دیتا ہے اور گزشتہ حدیثِ استنشاق سے اس قول کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ [1]

⑫ آنکھ میں دواء ڈالنا:

فتاویٰ عالمگیری (۱۰۴/۱) اور خلاصۃ الفتاویٰ (۲۵۳/۱) میں بھی ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے اسکا ذائقہ حلق میں ہی کیوں نہ محسوس ہو، اور یہی صحیح بھی ہے۔ البتہ ہدایۃ (جلداوّل) میں ہے کہ ناک اور کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا مگر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ [2]

⑬ خوشبو لگانا:

بخور وعطور یا پرفیوم وغیرہ خوشبوؤں کا لگانا اور سونگھنا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا ہے اور جسم پر تیل لگانے، نہانے، نیمہ کرانے اور سرمہ لگانے وغیرہ امور کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ اگر یہ چیزیں منع ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتا دیتے کیونکہ یہ عام استعمال ہونے والی چیزیں تھیں۔ اگر روزہ توڑنے والی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور واضح کرجاتے۔ [3]

اِسی سے اگربتی جلانے کے جواز کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

[1] فقہ السنۃ ۴۶۱/۱ [2] جدید فقہی مسائل، ص ۹۰۔۹۱

[3] فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۳۳/۲۵۔۲۵۸، فقہ السنۃ ۴۶۲/۱، تحفۃ الاحوذی ۴۲۲/۳: لَایُفْطِرُ شَمُّ الْعِطْرِ، ممنوع: ماہنامہ منارالاسلام رمضان ۱۹۹۱ء

⑭ قے کا آنا:

اگر کسی کو غیر ارادی و غیر اختیاری طور پر خود بخود قے آجائے تو اُس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر کوئی روزہ دار قصد و ارادہ سے خود قے کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اُس روزے کی قضاء لازم آتی ہے کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءَ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمَداً فَلْيَقْضِ)) [1]

''جس شخص کو قے مغلوب کرلے (یعنی خود بخود آجائے اُسکا روزہ نہیں ٹوٹتا اور) اُسکے ذمے کوئی قضاء نہیں، اور جو شخص اپنے ارادے سے خود قے کرے (اُسکا روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اُسے چاہیئے کہ اُس ایک روزے کی قضاء کرلے۔''

⑮ ٹیکہ لگوانا:

اسی سلسلہ میں ایک چیز ٹیکہ لگوانا بھی ہے اور یہ چونکہ ایک نیا مسئلہ ہے لہٰذا اسمیں اہلِ علم میں کافی اختلاف ہے کچھ جواز کے قائل ہیں اور بعض عدمِ جواز کے جبکہ بعض علماء نے ٹیکے کی دو شکلیں بنائی ہیں کہ اگر کوئی ٹیکہ بطورِ دوا ہو تو وہ روزے کی حالت میں بھی جائز ہے اور اگر گلوکوز وغیرہ کی طرح بطورِ غذا اور مقوی ہو تو اُس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ دو شکلوں والی تقسیم ہی اقرب اور صحیح تر معلوم ہوتی ہے۔ [2]

ان تمام (مذکورہ سابقہ) امور میں سے کسی نصِ صحیح و صریح سے روزے کا ٹوٹنا تو ثابت

---

[1] نیل الاوطار ۲/۴/۲۰۴ وقال البخاری: لا أراہ محفوظاً

[2] للتفصیل: فتاویٰ علماءِ حدیث ۶/۹۸، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۴۴۳، فتاویٰ ابن تیمیہ مع التعلیق ۲۵/۲۴۵، فقہ السنۃ ۱/۴۶۱، جدید فقہی مسائل، ص ۸۶۔۸۸

نہیں۔ اب رہا احتیاط کا پہلو، تو یہ بہر حال افضل ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

(وَمِنَ الْأُمُوْرِ الَّتِیْ لَا تُفْسِدُ الصَّوْمَ، قَلِیْلُ الدَّمِ وَضَرْبُ الْإِبَرِ غَیْرَ الَّتِیْ یُقْصَدُ بِهَا التَّغْذِیَةُ وَلٰکِنْ تَأْخِیْرُ ذَالِکَ إِلَی اللَّیْلِ أَوْلٰی وَاَحْوَطُ اِذَا تَیَسَّرَ ذَالِکَ...) [1]

"وہ امور جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان میں سے ہی تھوڑا سا خون نکلنا یا نکلوانا اور وہ ٹیکہ لگوانا ہے جو کہ غذائی نہ ہو، اگر چہ اسکا بھی رات تک مؤخر کر دینا ہی اَولیٰ اور زیادہ قرینِ احتیاط ہے۔"

روزے کے مبطلات

وہ امور جن سے روزہ باطل وفاسد ہو جاتا ہے، اور اُن میں سے بعض میں صرف قضاء اور بعض میں قضاء اور کفّارہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں اُنہیں مبطلاتِ صوم یا مفسداتِ صوم کہا جاتا ہے اور وہ کئی امور ہیں مثلاً:

(۱) جان بوجھ کر کچھ کھا پی لینا:

یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے چاہے کم کھائے یا زیادہ لیکن اگر کوئی روزہ دار جان بوجھ کر کچھ کھا پی لے تو اسکا روزہ ٹوٹ جائے گا چاہے کم کھائے پیئے یا زیادہ کیونکہ طلوعِ صبح صادق سے لیکر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے رُکے رہنا روزے کا رکن ہے اور جس نے اس بنیادی رکن کی ہی خلاف ورزی کر لی اُسکا روزہ باطل ہو جائیگا۔ ایسے آدمی پر اُس روزے کی صرف قضاء کرنا یعنی اُسکے بدلے میں رمضان کے بعد ایک روزہ رکھنا واجب ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور بعض دیگر آئمہ کا

[1] مقال ابن باز، مجلّہ البلاغ کویت عدد: ۶۵ بابت ۲۰ رمضان ۱۴۰۲ھ ۱۱ جولائی ۱۹۸۲ء

مسلک ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور بعض دیگر آئمہ کے نزدیک اُس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں مگر کفارے کے بارے میں نبی ﷺ کی کوئی حدیث نہیں اور جو ہے وہ صرف جان بوجھ کر جماع کرنے والے کے بارے میں ہے۔اور جان بوجھ کر کھانے پینے والے پر کفارہ محض قیاس سے لازم کیا جارہا ہے جسے محدّثینِ کرام صحیح قرار نہیں دیتے۔ [1]

② جماع کرنا:

جو شخص جماع کرلے اسکا بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ پیٹ کی طرح نفس کی خواہشات سے رکے رہنا بھی روزے کا لازمی جزء ہے اور ایسے آدمی پر قضاء اور کفارہ دونوں ہی واجب ہیں کیونکہ صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا:

((هَلَكْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!)) ''اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہوگیا۔''

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

((وَمَا أَهْلَكَكَ؟)) ''تمہیں کس چیز نے ہلاک کیا؟''

اُس نے بتایا کہ میں رمضان میں (دن کے وقت روزے کی حالت میں) اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم ایک غلام آزاد کرسکتے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں، فرمایا: کیا تم مسلسل ساٹھ روزے رکھ سکتے ہو؟ اُس نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں، پھر وہ شخص وہیں کچھ دیر بیٹھا رہا، اتنے میں نبی ﷺ کے پاس ایک بوری آئی جسمیں چھوہارے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ چھوہارے صدقہ کردو''۔ [2]

حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے اور اس میں روزے کی حالت میں جماع کرلینے کا کفارہ بھی آگیا ہے۔اور جمہور کے نزدیک صرف اس ایک ہی فعل میں کفّارہ ہے

[1] بدایۃ المجتہد ۲/۱۱۹۔۱۲۰ [2] صحیحین وسنن اربعہ، نیل الأوطار ۲/۴/۲۱۵

دوسرے کسی میں نہیں۔ [1]

ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَصُمْ یَوْماً مَکَانَہُ)) [2]

''اس روزے کی جگہ ایک دن کا روزہ (بطورِ قضاء) رکھو۔''

امام شافعی، امام ابوداؤد، ایک روایت میں امام احمد اور امام نووی وغیرہ نے کہا ہے کہ کفارہ صرف مرد پر ہی ہوگا اور امام نووی نے اسی مسلک کو سب سے صحیح تر قرار دیا ہے۔ [3]

امام ابن قدامہ کی المغنی [4] میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے کفارے کا حکم صرف آدمی کو ہی فرمایا تھا حالانکہ عورت کی اس کیفیت میں جو پوزیشن ہے وہ بھی آپ ﷺ کو معلوم تھی۔ (اسکے باوجود عورت کو کفارہ کا حکم نہیں فرمایا تھا)

③ عمداً قے کرنا:

جان بوجھ کر قے کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اُس پر روزہ قضاء کرنا واجب ہے جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد کی حدیث روزے کے مباحات کے ضمن میں ''قے کا آنا'' کے تحت گزر چکی ہے۔

④ حیض ونفاس:

حیض یا نفاس کا خون جاری ہوتے ہی عورت کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے چاہے یہ دن کے آخری چند منٹوں میں ہی کیوں نہ ہو اور اس مسئلہ پر پوری امتِ اسلامیہ کے فقہاء وعلماء کا اجماع واتفاق ہے لہٰذا حیض ونفاس کی وجہ سے کسی عورت سے جتنے روزے چھوٹ جائیں انکی قضاء اُس پر واجب ہے۔ [5] البتہ اس عرصہ میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء واجب نہیں بلکہ وہ

---

[1] فقہ السنہ ۱/۴۶۷، نیل الأوطار ۲/۴/۲۱۵ [2] نیل الأوطار ۲/۴/۲۱۴

[3] فقہ السنہ ۱/۴۶۸ [4] ۳/۱۱۲۔۱۱۳ طبع مصر

[5] فقہ السنہ ۱/۴۶۶

معاف ہیں جسکا ثبوت بخاری و مسلم میں نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كُنَّا نَحِيضُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. فَنُوْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُوْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلوٰةِ)) [1]

''نبی ﷺ کے زمانے میں ہم حیض سے ہوتیں تو ہمیں روزہ کی قضاء کا تو حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔''

⑤ کچھ نِگل لینا:

امام ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ اگر منہ کے راستے پیٹ میں کوئی چیز اتار لی جائے خواہ وہ غذا کے طور پر نہ بھی استعمال ہوتی ہو تو اسکا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر تقریباً تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔ [2]

⑥⑦ سحری اور افطاری میں غلطی:

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اس گمان سے سحری کھاتا رہا کہ ابھی وقت باقی ہے مگر معلوم ہوگیا کہ سحری کا وقت تو کب کا گزر چکا ہے۔ اور ایسی ہی صورت افطار میں بھی پیش آسکتی ہے کہ غروبِ آفتاب کے گمان میں روزہ افطار کرلیا مگر بعد میں پھر سورج نکل آیا جیسا کہ بادلوں کے موسم میں ہوسکتا ہے اور خود نبی ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک مرتبہ ایسا ہوگیا جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نے عہدِ رسول ﷺ میں بادل کی وجہ سے ایک دن روزہ افطار کرلیا پھر سورج نکل آیا۔ [3]

ایسی صورتوں میں آئمہ اربعہ اور جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اُس روزہ کی قضاء ہے مگر امام اسحاق، داؤد، ابن حزم، عطاء، عروہ، حسن بصری اور مجاہد کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی قضاء کرنا ہوگی کیونکہ سورۂ احزاب آیت: ۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

[1] فقہ السنہ ۱/۴۴۴ [2] المغنی، ص ۱۰۵، جلد سوم [3] فقہ السنہ ۱/۴۶۷

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَا اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ وَلٰكِنۡ مَا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ﴾

''جن امور میں تم سے خطا ہو جائے اُن میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ اُن امور میں ہے جو تمہارے دلی ارادے سے سرزد ہوں۔''

ایسے ہی سنن ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ بھی ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَضَعَ عَنۡ اُمَّتِیۡ اَلۡخَطَأَ وَالنِّسۡیَانَ وَمَا اسۡتُکۡرِھُوۡا عَلَیۡہِ)) [1]

''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا کو معاف کر دیا ہے اِسی طرح بھول اور مجبوری بھی ہے۔''

مصنّف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی افطار کے بعد سورج نکل آنے کا واقعہ پیش آیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم اس روزے کی قضاء کرلیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(لِمَ؟ وَاللّٰہِ مَاتَجَانَفۡنَا لِاِثۡمٍ)

''کیوں؟ اللہ کی قسم ہم نے کوئی گناہ کا ارادہ تو نہیں کیا تھا۔''

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عہدِ رسالت میں جب یہ واقعہ پیش آیا اور بخاری وغیرہ میں واقعہ مذکور رہا ہے اور جن لوگوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے انہوں نے یہ نقل نہیں کیا کہ آیا نبی ﷺ نے قضاء کا بھی حکم دیا اور اگر حکم دیا ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ضرور نقل فرماتے۔ اس لیۓ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اُس دن کے بدلے ایک روزہ قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ [2]

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے دن کا روزہ قضاء کرنا واجب نہیں۔ ویسے

---

[1] المغنی ۱۰۴/۳، صحیح الجامع الصغیر: ۱۸۲۶ [2] فقہ السنّہ ۴۶۶/۱۔۴۶۷

بھی بھول کر کچھ کھاپی لینے سے روزے کا نہ ٹوٹنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔البتہ اِس اختلاف سے نکلنے کیلئے احتیاطاً قضاء کر لے تو بہتر ہے۔

۸)استمناء:

اگرکوئی شخص جان بوجھ کر روزے کی حالت میں ہیجانی انداز سے بوس وکنار کر کے یا کسی بھی طرح سے استمناء کرلیتا ہے تو مادۂ منویہ کے انزال کے ساتھ ہی اُسکا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اُس پر اِس روزے کے بدلے میں بطورِ قضاء ایک روزہ رکھنا واجب ہوگا۔البتہ اگر محض نظر یا سوچ کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو وہ بدخوابی کے حکم میں ہے اُس پر نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ قضاء وکفارہ لازم آتا ہے۔ایسے ہی منی سے پہلے خارج ہونے والی لیسدار رطوبت یعنی مذی کے خروج سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [۱]

اصحابِ رخصتِ قضاء

①مریض یا بیمار:

قرآنِ کریم کی سورۂ بقرہ آیت:۱۸۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

"تم میں سے جو بھی اس (ماہِ رمضان) کو پالے وہ اسکے روزے رکھے۔"

اِس فرمانِ الٰہی کے پیشِ نظر پوری امتِ اسلامیہ کے آئمہ وعلماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان کا روزہ ہر عاقل وبالغ اور مقیم وتندرست مسلمان مرد وزن پر فرض ہے جیسا کہ بدایۃ المجتہد (۹۲/۲) میں علّامہ ابن رشد نے نقل کیا ہے۔البتہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت دی ہے کہ وہ رمضان کے کل یا کچھ روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں قضاء کرلیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی اِسی آیت:۱۸۵ میں فرضیت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[۱] فقہ السنۃ ۴۶۶/۱

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

''اور جو شخص بیمار یا مسافر ہو اُسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیئے۔''

ساتھ ہی فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُبِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو۔''

اس آیت کے الفاظ: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ اور ﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ سے یہ بات واضح فرمادی کہ مرض وسفر کی حالت میں جتنے روزے چھوٹ جائیں تندرستی وقیام کی حالت میں انکی گنتی پوری کرنا ضروری ہے۔اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کو روزہ قضاء کرنے کی اجازت دی گئی ہے ایک مریض دوسرے مسافر۔اور مریض سے کس قسم کا مریض مراد ہے؟ اس سلسلہ میں امام بخاری، عطاء اور اہلِ ظاہر کا مسلک تو یہ ہے کہ مرض چاہے کوئی بھی اور کیسا ہی کیوں نہ ہو روزہ قضاء کیا جاسکتا ہے کیونکہ آیتِ قرآن میں اس کا حکم عام ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس سے وہ مریض مراد ہے جسکی بیماری سخت ہو اور وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور روزہ رکھنے کی صورت میں مرض کے بڑھ جانے یا شفاء کے مؤخر ہو جانے کا اندیشہ ہو جبکہ مرض کے بڑھ جانے یا شفاء میں تاخیر ہو جانے کا پتہ کسی ثقہ ڈاکٹر کے بتانے سے یا ظنِ غالب سے کیا جاسکتا ہے۔[1]

احکام القرآن للجصاص میں لکھا ہے کہ یہ امر فقہاء کے مابین متفق علیہ ہے کہ مریض کیلئے روزہ چھوڑنے کی رخصت صرف اِس صورت میں ہے جبکہ روزہ سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اور اگر روزہ سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔[2]

[1] فقہ السنہ ۱/۴۴۲۔۴۴۳　[2] احکام القرآن ۱/۲۔۴

یہ احکام تو اُن مریضوں کیلیئے ہیں جنکا جلد یا بدیر تندرست ہو جانا ممکن ہوتا ہے ایسے لوگوں پر قضاء واجب ہے لیکن وہ مریض جو دائم المرض ہوتے ہیں جنکے شفایاب ہو سکنے کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔ایسا شخص رمضان کے ہر روزے کے بدلے فدیہ دیتا جائے۔اُس پر آئمہ ومذاہبِ اربعہ کے نزدیک قضاء واجب نہیں جیسا کہ الفقہ علی المذاہب الأربعہ میں مذکور ہے۔البتہ حنابلہ کے ہاں کچھ تفصیل ہے۔ [۱]

② عمر رسیدہ:

اِسی باب میں ہی عمر رسیدہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کا ذکر بھی آتا ہے کہ اگر وہ اسقدر بوڑھے اور ضعیف ہو جائیں کہ اُن کیلیئے روزہ رکھنا مشکل ہو تو بدایۃ المجتہد (۲/۱۱۷) میں علّامہ ابن رشد کے بقول تمام آئمہ کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ انہیں روزے چھوڑنے کی اجازت ہے اور امام ابوحنیفہ،شافعی،احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ جمہور آئمہ کے نزدیک وہ روزہ چھوڑنے کی صورت میں بطورِ فدیہ روزانہ ایک مسکین کا کھانا دے دیا کریں۔ [۲]

اگر کوئی مرد یا عورت یا میاں بیوی بوڑھے بھی ہوں اور فقیر ومحتاج بھی تو ایسے لوگوں پر نہ روزہ فرض ہے اور نہ فدیہ کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی کو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' [۳]

بوڑھوں کو رخصت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

(اَلشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيْرَةُ لَايَسْتَطِيْعَانِ أَنْ يَّصُوْمَا فَلْيُطْعِمَا مَكَانَ كُلَّ يَوْمٍ مَسْكِيْناً) [۴]

---

[۱] الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۱/۵۷۶

[۲] حوالہ سابقہ وتفسیر ابن کثیر اردو ۱/۲۵۵۔۲۵۶،ارواء الغلیل ۴/۱۸۔۲۵

[۳] فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۰۰ [۴] سنن نسائی

"بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے وہ روزانہ ایک ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔"

آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ﴾ کے بارے میں انکا قول ہے:

(لَيْسَتْ مَنْسُوْخَةٌ هِيَ لِلْكَبِيْرِ الَّذِيْ لَا يَسْتَطِيْعُ الصَّوْمَ) [1]

"یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس میں مذکور حکم بوڑھے شخص کے ساتھ خاص ہے۔"

③④ حامل ومرضع:

حمل یا چھوٹے بچے کو دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے سے اگر اُسے یا بچے کو یا دونوں کو نقصان پہنچے یا اندیشہ ہو تو ایسی عورت بھی رمضان کے کل یا جتنے روزے چھوڑے اُسے اجازت ہے البتہ بعد میں اتنے روزوں کی قضاء کرلے اور ساتھ ہی ساتھ اتنے ہی دنوں کا فدیہ بھی دے دے یعنی ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اور برصغیر کے معروف محدّث علاّمہ شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں کہ قضاء اور فدیہ دونوں اس لیئے کہ حمل اور بچے والی دونوں کا روزہ چھوڑنا غیر یعنی بچے کے سبب سے ہے۔ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام وغیرہ میں حضرت ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہم سے جو مروی ہے کہ وہ دونوں روزہ چھوڑ دیں اور ان پر قضاء بھی نہیں تو یہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن وسنّت کے مقابلہ میں ہمارے لیئے حجت نہیں ہیں۔ [2]

چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ)) [3]

---

[1] بخاری مع الفتح ۸/۱۳۵، ارواء الغلیل ۴/۱۷

[2] فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۰۲۔۱۰۳ [3] نیل الأوطار ۲/۴/۲۳۰

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز کم کردی اور حمل والی اور بچے کو دودھ پلانے والی عورت سے روزہ کم کردیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مسافر جب مقیم ہوجائے تو اُس پر روزے کی قضاء ہے ایسے ہی حمل یا بچے والی عورت پر بھی قضاء ہے کیونکہ ان دونوں کا عطف بھی مسافر پر ہے جس پر قضاء واجب ہے۔

بخاری شریف میں حضرت حسن بصری اور ابراہیم (نخعی) رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کہ دودھ پلانے والی اور حمل والی عورتیں اگر اپنے آپ کو یا بچوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ محسوس کریں تو اُس وقت کے روزے چھوڑ دیں بعد میں قضاء کرلیں۔ [1]

⑤⑥ حیض ونفاس والی:

ایسے ہی جو عورت حیض یا نفاس کے ایام میں ہو اسکے لیئے تو روزہ رکھنا جائز ہی نہیں اور اِن ہر دو حالتوں میں اِن سے جتنے روزے چھوٹ جائیں اُن کی بعد میں قضاء واجب ہے مگر قضاء کے ساتھ فدیہ ضروری نہیں ہے صرف اتنے روزے رکھ لیں جتنے چھوڑے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كُنَّا نَحِيضُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ)) [2]

”نبی ﷺ کے زمانے میں ہم حیض سے ہوتیں تو ہمیں روزہ کی قضاء کا تو حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔“

⑦ مسافر:

قرآنِ کریم میں سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۸۵ میں دوسرے جس شخص کو روزہ چھوڑنے اور بعد میں قضاء کرلینے کی اجازت دی گئی ہے وہ مسافر ہے۔ اُسے بھی سفر کی حالت میں روزہ

[1] فتاویٰ علماء حدیث ۱۰۲/۶۔۱۰۳ [2] فقہ السنۃ ۴۴۴/۱

قضاء کر لینے کی اجازت ہے۔اوراس بات کا ثبوت قرآنِ کریم کے علاوہ حدیثِ رسول ﷺ میں بھی ہے جیسا کہ ابھی قریب ہی آپ نے سننِ اربعہ کی حدیث پڑھی ہے۔ایسے ہی صحیحین وسنن اربعہ میں ہے کہ حضرت حمزۃ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا:

((أَأَصُومُ فِي السَّفَرِ؟))

''کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھوں؟''

وہ بکثرت روزہ رکھنے والے تھے،تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ)) [1]

''اگر چاہوتو روزہ رکھواور چاہوتو نہ رکھو(یعنی قضاء کرلو)''۔

بخاری ومسلم میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ) فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ)) [2]

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ (رمضان میں) سفر کرتے تو روزہ رکھنے والے،نہ رکھنے والے کو اور نہ رکھنے والے،رکھنے والے کو عیب نہ دیتے (ملامت نہیں کرتے) تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا اور قضاء کرنا دونوں ہی جائز ہیں۔البتہ بخاری ومسلم میں ہی ایک ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ)) [3]

''سفر کے دوران روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔''

صحیح مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

[1] رواہ الجماعۃ،نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۲ [2] حوالہ سابقہ

[3] الجماعۃ،نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۲

((هِیَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَمَنْ اَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصُوْمَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ)) [1]

''(سفر میں روزہ قضاء کرنا) اللہ کی دی ہوئی رخصت ہے جس نے وہ رخصت اپنالی اُس نے اچھا کیا اور جو چاہے کہ روزہ ہی رکھے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهٗ)) [2]

''اللہ تعالیٰ اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ اسکی دی ہوئی رخصتوں کو اپنایا جائے۔''

صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں کچھ لوگوں نے روزہ رکھا اور کچھ نے افطار کیا۔روزہ دار مشقت میں مبتلا ہوگئے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ)) [3]

''آج روزہ افطار کیئے ہوئے لوگ ثواب لے گئے۔''

مسافر کیلئے روزہ کے احکام اور قضائے رمضان

روزہ رکھ کر افطار کرلینا:

ایک شکل یہ بھی پیش آسکتی ہے کہ کسی نے رات کو پختہ ارادہ کرلیا کہ صبح روزہ رکھوں گا اور فعلاً سحری کھا کر روزہ رکھ بھی لیا۔اب راستے میں اُسے گرمی ودھوپ کی شدّت اور سفر کی مشقت کی وجہ سے بھوک وپیاس نے شدید پریشان کردیا۔ایسا روزہ دار کیا کرے؟

[1] نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۳
[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۵،۳/۴/۲۰۴
[3] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۶۲۹

اس سلسلہ میں ہمارے پاس خود نبی ﷺ کا عملِ مبارک موجود ہے کہ آپ ﷺ کو بھی ایسی صورتِ حال پیش آگئی تھی تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روزہ افطار کرلیا تھا چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال جب نبیٔ اکرم ﷺ ماہِ رمضان میں مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ (مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام) کُراعُ الغمیم پہنچے (اور بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ راستے میں ایک مقام پر پہنچ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شدید پیاس نے پریشان کردیا)۔ [1] تب نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جسمیں پانی تھا اُسے بلند کیا تاکہ لوگ دیکھ لیں پھر آپ ﷺ نے وہ پی (کر روزہ افطار کر) لیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ابھی تک بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ ،أُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ)) [2]

''یہ لوگ نافرمان ہیں۔ یہ لوگ نافرمان ہیں۔''

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کسی مسافر روزہ دار کو دورانِ سفر مشقت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ روزہ کھول دے۔ اُسے کوئی گناہ نہیں اور ایسی حالت میں روزہ نہ کھولنے والوں کو آپ ﷺ نے ((أُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ)) نافرمان قرار دیا ہے۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تنگی اور تشدّد کی کہیں بھی گنجائش نہیں۔ سفر میں روزہ نہ رکھے تو بھی جائز ہے۔ رکھا ہوا روزہ کھول دے تو بھی ثابت ہے بلکہ ابوداؤد و ترمذی اور مسند احمد کی بعض احادیث سے تو یہاں تک بھی گنجائش ملتی ہے کہ روزہ رکھا اچانک اُسی دن سفر کا پروگرام بن گیا تو وہ مسافر اپنے شہر کے مکانوں سے تجاوز کرنے سے قبل ہی اپنے روزہ کو افطار کرسکتا ہے۔ [3]

[1] متفق علیہ، الفتح الربانی ۱۰/۱۱۲ [2] صحیح مسلم، مشکوٰۃ ۱/۶۳۱
[3] نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۸۔۲۲۹

افضل؟:

سفر میں روزہ قضاء کر لینے پر تو تمام آئمہ کا اتفاق ہے البتہ اس سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں کہ اس صورت میں افضل روزہ رکھنا ہے یا قضاء کرنا؟

بعض آئمہ واہلِ علم نے کہا ہے کہ اگر سفر مشقت والا نہ ہو اور روزہ رکھنے والا اسکی طاقت رکھتا ہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ قضاء کرنا ہی افضل ہے اور احادیث میں اِسی دوسرے نظریہ کی تائید پائی جاتی ہے۔

مسافتِ قضاء:

دورانِ سفر روزہ کے احکام و مسائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ روزہ قضاء کرنے کیلئے سفر کی کتنی مسافت ہو؟ اور جب کسی جگہ جا کر کچھ دن رہنا ہو تو وہاں کتنے دن تک وہ مسافر شمار ہوگا؟ اور روزہ قضاء کر سکے گا؟

یہ مسئلہ بعینہٖ نماز کے قصر کرنے کیلئے مسافت اور ایامِ سفر سے ملتا جلتا ہے اور اسکے تفصیلی ذکر کا مقام تو مسائل نماز ہی ہے مختصراً یہ کہ امام ابن قیم، امام ابن حزم اور دیگر بیشمار قدیم وجدید محققین کے نزدیک ہر وہ سفر جسے لغت اور عرفِ عام میں سفر کہا جا سکتا ہو اس میں قصر کی جا سکتی ہے اور نبی ﷺ سے مختلف مسافتوں پر قصر کرنا ثابت ہے صحیح بخاری و مسلم میں نبی ﷺ کا مدینہ طیّبہ سے نکل کر ذوالحلیفہ میں قصر کرنا بھی ثابت ہے جو صرف چھ میل پر ہے۔ [۱]

صحیح بخاری شریف میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اڑتالیس (۴۸) میل کے سفر میں قصر کرنا اور روزہ قضاء کرنا ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے چوبیس (۲۴) فرسنگ یعنی (۷۲) میل کی مسافت منقول ہے۔ [۲]

امام مالک، شافعی، لیث، اوزاعی اور فقہاء اصحاب الحدیث کے نزدیک یہ مسافت دو مرحلے یا اڑتالیس (۴۸) میل ہے۔ اگر احتیاط کے پیشِ نظر سب سے لمبی مسافت یعنی امام

[۱] نیل الاوطار ۲/۳/۲۰۵ [۲] نیل الاوطار ۲/۳/۲۰۶

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اختیار لے لیا جائے تو وہ بہتر (۷۲) میل ہے جسمیں نماز قصر کی جا سکتی ہے اور روزہ قضاء کیا جا سکتا ہے۔احمد بک حسینی نے "دلیل المسافر" میں مسافتِ قضاء حنفیہ کے نزدیک (۸۱) کلومیٹر اور باقی تینوں آئمہ کے نزدیک ساڑھے نواسی ۸۹۱/۲ کلومیٹر ذکر کی ہے۔ [۱]

ایامِ سفر کی مقدار کے سلسلہ میں بخاری شریف میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے انیس (۱۹) روز کے ایک سفر میں مسلسل قصر کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس سے بھی کم کی روایات و آثار ملتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پندرہ دن کی روایت منقول ہے۔ [۲]

اگر امام صاحب کے اس اختیار پر عمل کیا جائے تو پندرہ دن قصر و قضاء جائز ہے اور بخاری شریف میں نبی ﷺ سے انیس (۱۹) دن بھی ثابت ہے۔ [۳]

ایام و اندازِ قضاء:

عام حالات میں ماہانہ جاری ہونے والے خونِ حیض، بچے کی ولادت کے بعد آنے والے خونِ نفاس، مشقتِ حمل اور بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے روزہ قضاء کرنے والی خواتین اور مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکنے والے خواتین و حضرات جتنے روزے نہ رکھ سکیں اُنہیں کب اور کیسے قضاء کرنا ہوگا؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایامِ عیدین (و ایامِ تشریق) کو چھوڑ کر جنکا روزہ رکھنا حرام ہے سال کے باقی کوئی بھی دن ہوں ان میں ان چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء دی جا سکتی ہے۔اور جتنے روزے رہ گئے ہوں انہیں لگاتار رکھنا بھی جائز ہے اور الگ الگ کر کے وقفے وقفے کے بعد بھی رکھے جا سکتے ہیں۔دونوں صورتوں میں سے جو بھی کوئی اختیار کرلے ممکن اور جائز ہے۔اس طرح آئندہ رمضان سے پہلے پہلے اپنے روزوں کی قضاء مکمل کرلے، چنانچہ قرآنِ کریم میں روزہ کے احکام بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[۱] مجلّہ رابطہ عالم اسلامی جلد: ۲۴، شمارہ: ۲۵۴، رمضان ۱۴۰۶ مئی ۱۹۸۶ء

[۲] نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۲۰۸ [۳] نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۲۰۹

﴿فَمَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(سورۃ البقرۃ: ۱۸۴)

''جو شخص مریض یا مسافر ہو (اور اس سے روزے قضاء ہو جائیں) تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کر لے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ کوئی شرط نہیں لگائی کہ لگاتار رکھے یا الگ الگ۔ اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ رمضان نکلتے ہی رکھے بلکہ جب چاہے رکھ لے چنانچہ بیہقی میں قضائے رمضان کے متعلق متعدد اسناد سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنْ شَآءَ فَرَّقَ وَاِنْ شَآءَ تَابَعَ)) [1]

''کوئی چاہے تو الگ الگ رکھ لے اور کوئی چاہے تو لگاتار رکھ لے۔''

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً اور صاحبِ مصنّف عبدالرزاق نے نبی ﷺ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

((لَابَأْسَ اَنْ يُّفَرِّقَ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾)) [2]

''ارشادِ الٰہی ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ کی رو سے الگ الگ کر کے قضاء کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔''

البتہ کفّارے کے ساٹھ روزے لگاتار رکھنا ضروری ہے کیونکہ انکے ساتھ ﴿شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں کہ وہ دو ماہ لگاتار ہوں۔

جبکہ بخاری ومسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ وَذَالِكَ لِمَكَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) [3]

---

[1] نیل الاطار ۲/۴/۲۳۲-۲۳۳ وضعّفہٗ الالبانی فی ارواء الغلیل ۴/۹۴ وذکر بعض الآثار الصحیحۃ

[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۳۲-۲۳۳ [3] رواہ الجماعۃ، نیل اوطار ۲/۴/۲۳۳

’’مجھ پر رمضان کے کچھ روزے ہوتے اور میں انہیں شعبان کے سوا قضاء نہ کر پاتی، اور یہ نبی ﷺ کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے ہوتا تھا۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ شعبان تک تاخیر کی جاسکتی ہے البتہ فریضہ کی ادائیگی میں جتنی جلدی ممکن ہو بہتر ہے کیونکہ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔

اور اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جبکہ اُسکے ذمے (نذر کے) کچھ روزوں کی قضاء باقی تھی تو اسکا ولی وسرپرست یا وارث اسکے عوض میں روزے رکھیں جیسا کہ بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ، صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) [1]

’’جو مر گیا اور اسکے ذمے کچھ روزے تھے تو اسکا وارث اسکی طرف سے روزے رکھے۔‘‘

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے۔ مگر یہ الفاظ نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ [2]

لیلۃ القدر

فضائل وبرکات:

فضائل ومسائلِ رمضان وروزہ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اس ماہِ رمضان میں ہی وہ مبارک رات بھی ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزت تک نازل فرمایا تھا جہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت نبی

---

[1] متفق علیہ، نیل الاوطار ۲/۴/۲۳۵، فتاویٰ علماء حدیث ۶/۹۹

[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۳۳ تا ۲۳۷، فقہ السنہ ۱/۴۷۱، فتاویٰ علماء حدیث ۶/۹۹ و ۴۳۵ تا ۴۴۲

ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور آپ ﷺ کی تئیس (۲۳) سالہ پیغمبرانہ زندگی میں نزولِ قرآن کا اتمام ہوا اور اور دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔) ﴿۱﴾

قرآنِ کریم کے اس ماہِ مبارک میں نازل کیئے جانے کا ثبوت سورۃ البقرہ کی آیت:۱۸۵ میں مذکور ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

''رمضان وہ مہینہ ہے جسمیں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کیلئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

پورے ماہِ رمضان کی اس وسعت کو خود اللہ تعالیٰ نے ہی سورۂ دُخان آیت:۳ میں محدود کر دیا کہ اِس ماہ کی ایک ہی رات میں ہم نے قرآن نازل کیا تھا اور اسے ''مبارک رات'' کے لقب سے نوازتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ (سورۂ دُخان:۳)

''ہم نے اِس (قرآنِ کریم) کو ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو متنبّہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔''

ساتھ ہی اگلی آیت:۴ اور ۵ میں فرمادیا:

﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ أَمْراً مِّنْ عِنْدِنَا﴾

''یہ رات ہے جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔''

﴿۱﴾ مختصر ابن کثیر للرفاعی ۴/۱۰۱۴۱

رمضان المبارک میں آنے والی نزولِ قرآن کی اِس مبارک رات کوتیسویں پارے میں مزید وضاحت سے بیان فرمادیااوراُسے شبِ قدر یا ’’لیلۃ القدر‘‘ کے نام سے نوازتے ہوئے فرمادیا:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾

’’ہم نے اِس قرآنِ کریم کوشبِ قدر میں نازل کیا ہے۔‘‘

پھراس رات کی عظمت جتلانے کے لیئے فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ﴾

’’(اے میرے نبی!) آپ کیا جانیں کہ وہ شبِ قدر کیا ہے؟‘‘

آگے اُس رات کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ o تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ کُلِّ اَمۡرٍ o سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ﴾

(سورۂ قدر)

’’شبِ قدر ہزا رمہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔فرشتے اور روح (الامین جبرائیل) اُس رات میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لیکر اترتے ہیں۔وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔‘‘

اُدھر نسائی، مسند احمد اور مستدرک حاکم [1] میں ایک ارشادِ نبوی ﷺ ہے

((لِلّٰهِ فِیۡهِ لَیۡلَةٌ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ مَنۡ حُرِمَ خَیۡرَهَا فَقَدۡ حُرِمَ))

’’اس (ماہِ رمضان المبارک) میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات بھی رکھی ہے جسکی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بہتر ہے۔جو شخص اس رات کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ حرمان نصیب شخص ہے۔‘‘

---

[1] وصحّحہ ووافقہ الذھبی ثم الالبانی، مشکوٰۃ ۶۱۲/۱

اِسی سے ملتی جلتی ایک حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ①

اب آپ اس لیلۃ القدر کی فضیلت و برکت کا اندازہ فرمائیں کہ ایک ہزار مہینوں کے تراسی سال اور چار ماہ بنتے ہیں۔ گویا جو شخص خالص رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اس ایک رات کی عبادت کر لے اُسے اللہ تعالیٰ تراسی سال اور چار ماہ کی مسلسل عبادت سے بھی زیادہ ثواب عطا کرتا ہے۔ سبحان اللہ! نیکیاں کمانے کا کتنا سنہری موقع اور عمدہ سیزن ہے جو صرف ایک ہی رات میں طے ہو جاتا ہے۔

نوادراتِ علماءِ سلف:

یہاں ایک عظیم مجدّد و مجاہد اور فقیہہ و مجتہد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ بھی مناسبِ حال ہے جسمیں اُس بطلِ اسلام کے تفقّہ، فہم و فراست اور عقلِ رسا کا پرتو بھی ہے اور لیلۃ القدر کی عظمت و فضیلت کا ثبوت بھی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتووں کا مجموعہ جو فہرست سمیت سینتیس (۳۷) ضخیم جلدوں میں ہے اور سعودی حکومت نے کئی مرتبہ طبع کروا کر اہلِ علم میں مفت تقسیم کیا ہے۔ اُسکی پچیسویں (۲۵) جلد کے صفحہ (۲۸۶) پر مذکور ہے کہ موصوف سے پوچھا گیا کہ لیلۃ القدر اور شبِ معراج میں سے کونسی رات افضل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''نبی ﷺ کے حق میں شبِ معراج افضل ہے اور آپ ﷺ کی امت کے حق میں لیلۃ القدر افضل ہے کیونکہ شبِ معراج میں نبی ﷺ جس حظِّ وافر سے نوازے گئے وہ لیلۃ القدر میں ملنے والے حظّ و نصیب سے اکمل و زیادہ ہے اگرچہ شبِ معراج میں بھی امت کیلئے بڑے فضائل و حظوظ ہیں لیکن جو فضل و شرف اور رتبہ ٔ عُلیا اُس رات میں آپ ﷺ کو نصیب ہوا جنہیں معراج کرائی گئی وہ صرف اُنہی کا ہی حصہ ہے''۔

کیا یہ نقطہ تفقُّہ فی الدین کی ایک نادر مثال نہیں؟

① مشکوٰۃ ۶۱۲/۱

یوں تو پورا مہینہ ہی رحمتوں اور برکتوں والا ہے مگر اس لیلۃ القدر کی فضیلت بہت ہی زیادہ ہے۔ یہ رات جہاں ہزار مہینے سے افضل ہے وہیں تمام سابقہ گناہوں کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَاناً وَّاِحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) [1]

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اُسی کی رضاء کے حصول کی خاطر اس لیلۃ القدر میں قیام کیا (یعنی نفل و تلاوت میں مشغول رہا) اُسکے پہلے تمام گناہ معاف ہوگئے۔''

نسائی و مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ)) [2]

''اسکے پہلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہوگئے۔''

اب فرمایئے! اس سے بڑھ کر کسی رات کی عظمت وفضیلت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور جو شخص اس رات کی فضیلت سے بے بہرہ خوابِ غفلت میں محو رہا اُس سے بڑھ کر حرمانِ نصیب اور کون ہوسکتا ہے؟ اِسی لیئے تو نبی رحمت ﷺ نے ایسے شخص کو ''محروم'' قرار دیا ہے۔

لیلۃ القدر کونسی رات؟

اب رہی یہ بات کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کی کونسی رات ہے؟

اس کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے متعدد احادیث ثابت ہیں جن سے اس رات کی تحدید میں مدد ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری دس دنوں میں ہے جیسا کہ بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں صراحت موجود ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

[1] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۶۱۰ [2] باسناد حسن شرح الفتح الربانی ۹/۲۲۰-۲۲۱

((اِنِّیْ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هَذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِیْتُ فَقِیْلَ لِیْ: اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ، فَمَنْ کَانَ اِعْتَکَفَ مَعِیْ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ أُرِیْتُ هَذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ أُنْسِیْتُهَا)) ﴿۱﴾

''میں نے اس رات کی تلاش میں رمضان کے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا، پھر میں نے درمیان والے دس دنوں کا اعتکاف کیا، پھر مجھے کسی (فرشتہ) نے بتایا کہ یہ رات رمضان کے آخری دس دنوں میں سے ایک ہے پس جس شخص نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے اُسے چاہیئے کہ (آئندہ) آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا کرے مجھے یہ رات دکھائی گئی (کہ کونسی ہے) پھر بھلا دی گئی۔''

اسی حدیث میں ہے کہ لیلۃ القدر کی رات میں نے دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کرتا ہوں۔ پس تم اِسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور آخری عشرہ کی بھی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ان دو آنکھوں نے دیکھا ہے کہ اکیسویں رات کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کے نشانات تھے کیونکہ اُسی رات بارش ہوئی تھے اور مسجدِ نبوی جو کھجور کے پتوں کی چھت والی تھی، اُسکی چھت ٹپک رہی تھی۔ ﴿۲﴾

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات آخری دس دنوں میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی رات کی تلاش میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے جو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے سنّت اور ذریعۂ سعادت و نجات ہے اور اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ وہ اکیسویں رات ہے۔

جبکہ صحیح مسلم و ابوداؤد کی ایک حدیث سے تیئسویں رات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ متفق علیہ فی المعنیٰ، مشکوٰۃ ۱/۶۴۴-۶۴۵ ﴿۲﴾ حوالۂ سابقہ

﴿۳﴾ مشکوٰۃ ۱/۶۴۵-۶۴۶، حدیث: ۲۰۸۷، ۲۰۹۴

بخاری و مسلم میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض صحابہؓ رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات راتوں میں ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری طرح خواب میں یہی کچھ دکھلایا گیا۔ اور فرمایا:

((فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا،فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ)) [1]

''پس جو شخص اُس رات کو تلاش کرنا چاہے وہ اُسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔''

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ ہمیں لیلۃ القدر کی رات بتانے کیلئے باہر تشریف لائے تو آگے دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے، وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتانے کیلئے نکلا تھا مگر فلاں فلاں آدمی جھگڑ رہے تھے پس اُس رات کی تعیین اٹھالی گئی اور ہوسکتا ہے کہ اِسی میں تمہاری بہتری ہو۔'' (یعنی اسکی تلاش میں زیادہ دن مصروفِ عبادت رہو) اور پھر فرمایا:

((فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ)) [2]

''تم اُسے (آخری عشرے کی) نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔''

تفسیر ابن کثیر میں حضرت معاویہ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ)) [3]

''وہ رات ستائیسویں ہے۔''

صحیح مسلم شریف میں بھی حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ یہ

[1] ایضاً حدیث: ۲۰۸۴ [2] حدیث: ۲۰۹۵

[3] مختصر ابن کثیر للرفاعی ۴/۴۱۱

ستائیسویں رات ہے۔ [۱]

علاّمہ احمد عبدالرحمٰن البنّا نے لیلۃ القدر کی تعیین کے سلسلہ میں اٹھارہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد انکا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ میں سے ایک ہے اور شافعیہ کے نزدیک (بخاری ومسلم میں مذکور) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے پیشِ نظر ان طاق راتوں میں سے اکیسویں رات کا قول راجح ہے اور جمہور کے نزدیک ستائیسویں رات ہے اور انکا استدلال بھی صحیح احادیث سے ہے۔ [۲]

امام شوکانی نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے ۴۵ اقوال ذکر کیئے ہیں۔ [۳]

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک بہت ہی عمدہ وانوکھا نقطہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں:

''سلفِ صالحین میں سے کسی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم سے ہی اس رات کی تعیین کی کوشش کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ سورۃ القدر میں آخری آیت ﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ ہے اور اس آیت میں لفظ ''هِيَ'' ضمیر ہے جسکا مرجع لیلۃ القدر ہے اور یہ لفظ اِس سورۃ کا (واؤ عاطفہ چھوڑ کر) ستائیسواں لفظ ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ رمضان کی ستائیسویں رات ہی لیلۃ القدر ہے۔ [۴]

یہ تمام تفصیلات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں جن سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اکیسویں اور ستائیسویں اور ان میں سے ستائیسویں رات کے لیلۃ القدر ہونے کا غالب امکان ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ان میں سے بھی ستائیسویں رات کی عبادت پر اکتفاء کر کے بھی نہیں بیٹھ جانا چاہیئے بلکہ ان آخری دس دنوں کی تمام راتوں اور خصوصاً تمام طاق راتوں میں محوِ عبادت رہ کر اُخروی سعادت سے اپنا دامن بھر لینا چاہیئے۔

---

[۱] حوالۂ سابقہ [۲] الفتح الربانی ۲۹۲/۱۰

[۳] تفصیل کیلئے دیکھیئے: نیل الاوطار ۲/۴/۲۷۲ تا ۲۷۵ [۴] مختصر ابن کثیر للرفاعی ۴/۴۱۱

علاماتِ لیلۃ القدر:

لیلۃ القدر کی نشانیاں بھی نبی ﷺ نے بتائی ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ لیلۃ القدر کی ایک علامت نبی ﷺ سے بیان کرتے ہوئے بتائے ہیں:

((اَنَّھَا تَطْلَعُ الشَّمْسُ یَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَھَا)) ﴿۱﴾

''اُس سے اگلے دن کا سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اُس کی شعاعیں نہیں ہوتیں۔'' (یعنی صاف شفاف ٹکیہ کی طرح نکلتا ہے)

ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ نے یہ نشانی بھی بتائی ہے کہ یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہو۔ اُس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے نہ سردی زیادہ ہوتی ہے اور نہ گرمی اور نہ اُس صبح تک ستارے ٹوٹتے جھڑتے ہیں۔ ﴿۲﴾

نبی ﷺ کے یہ نشانیاں بتانے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک رات پہ تکیہ کر کے بیٹھ جانا درست نہیں ورنہ نشانیاں بتانے کی بجائے آپ ﷺ فرما دیتے کہ فلاں رات ہے بلکہ نبی ﷺ کو وہ رات بھلائی ہی نہ جاتی بہرحال نبی ﷺ اُس رات کی تلاش میں رمضان کا آخری عشرہ خوب عبادت میں گزارتے تھے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

نوادراتِ سلف:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ عشرہ اولیٰ ذوالحج کے دن رمضان کے اس عشرۂ اخیرہ کے دنوں سے افضل ہیں اور اس عشرۂ رمضان کی راتیں عشرۂ ذولحجہ کی راتوں سے افضل ہیں اور ہفتہ کے دنوں میں سے جمعہ افضل ہے اور سال کے ایام میں سے یوم النحر یعنی قربانی کا دن افضل ہے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ الحدیث رواہ مسلم مشکوٰۃ ۱/۶۴۵ ﴿۲﴾ مختصر ابن کثیر للرفاعی ۴/۴۱۱

﴿۳﴾ فتاویٰ ۲۵/۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹

دعاء لیلۃ القدر:

اسی رات کی تلاش میں نبی ﷺ اعتکاف بھی فرمایا کرتے تھے۔آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اعتکاف کیا کرتے تھے اور اُس زمانے سے لیکر آج تک اور آئندہ قیامت تک یہ سنّتِ رسول ﷺ مسلمانوں کیلئے اجروثواب اور سعادتوں کا باعث ہے اور اگر کسی کو اعتکاف کی حالت میں یا ویسے ہی دورانِ عبادت محسوس ہو جائے کہ شاید یہی لیلۃ القدر ہے تو اُس رات کیلئے نبی ﷺ نے ایک دعاء سکھلائی ہے جو ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو میں کونسی دعاء مانگوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعاء مانگو:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) [1]

”اے اللہ! تو سراسر عفو و کرم ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ مجھے معاف کردے۔“

یہ دعاء تو نبی ﷺ سے ثابت ہے۔اسکے علاوہ بھی جو دعائیں قرآن وسنّت میں ثابت ہیں اُن میں سے بھی جو چاہے مانگے اور اگر وہ دعائیں یاد نہ ہوں تو جو جی میں آئے اور جو حاجت ہو اللہ سے مانگے اور جو زبان بھی کوئی بولتا ہے اُسی میں مانگے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

احکام و مسائلِ اعتکاف

بنیادی طور پر اعتکاف کیلئے کوئی وقت یا مدت متعین نہیں، جس وقت اور جتنی مدّت کیلئے کوئی چاہے اعتکاف کرسکتا ہے البتہ مسنون اعتکاف یہ ہے کہ رمضان کے آخری دس دنوں میں یعنی بیس رمضان کو مغرب کے بعد سے لیکر عید کا چاند دیکھنے تک اعتکاف کیا جائے چنانچہ

[1] مشکوٰہ ۶۴۶/۱ و صحیح الترمذی والالبانی

بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ)) [1]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اعتکاف کیا۔''

روحِ اعتکاف:

علاّمہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی معروف کتاب زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

''اعتکاف کی روح اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہوجائے اور اس کے ساتھ جمعیتِ باطنی حاصل ہو۔اشتغال بالخلق سے رہائی حاصل ہو اور اشتغال بالحق کی نعمت میسّر آسکے۔اور یہ حال ہوجائے کہ تمام افکار وتردّدات اور ہموم ووساوس کی جگہ اللہ کا ذکر اور اس کی محبت لے لے، ہر فکر اُس کی فکر میں ڈھل جائے اور احساس وخیال اس کے ذکر وفکر اور اس کی رضاء وقرب کے حصول کی کوشش کے ساتھ ہم آہنگ ہوجائے۔مخلوق سے اُنس کی بجائے اللہ سے اُنس پیدا ہو اور قبر کی وحشت میں جب کوئی اُس کا غم خوار نہ ہوگا۔یہ اُنس اُس کا زادِ سفر بنے گا، یہ ہے اعتکاف کا مقصد جو رمضان کے افضل ترین دنوں یعنی آخری عشرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔'' [2]

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں:

''چونکہ مسجد میں اعتکاف جمعیّتِ خاطر، صفائی قلب، ملائکہ سے تشبّہ اور شبِ قدر کے حصول کا ذریعہ، نیز طاقت وعبادت کا بہترین موقع ہے اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عشرہ

[1] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۶۴۸ [2] زادالمعاد ۱/۱۷۸

اواخر میں رکھا ہے اور اپنی اُمت کے محسنین وصالحین کیلئے اس کو سنّت قرار دیا ہے۔‘‘ [۱]

اعتکاف کا ارادہ رکھنے والوں کو چاہیئے کہ حصولِ تقرّب ورضائے الٰہی کی نیّت سے بیس رمضان کو مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد میں ہی رک جائیں اور اکیسویں رمضان کی نمازِ فجر پڑھ کر اپنی جائے اعتکاف میں بیٹھ جائیں اور دورانِ اعتکاف نفل، تلاوت اور ذکر واستغفار میں مشغول رہیں۔ قرآنِ کریم کا ترجمہ وتفسیر اور کتبِ حدیثِ رسول ﷺ کا مطالعہ بھی مستحب ہے۔ دورانِ اعتکاف اپنے ملنے والوں سے فضول باتوں سے مکمل پرہیز کریں مگر جائز امور میں بولنا، کسی سے بات کرنا، اگر اہلِ علم میں سے ہے تو درس ووعظ سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا منع نہیں ہے۔ اعتکاف کی حالت میں اپنی بیوی سے اشیائے ضرورت پکڑ سکتا ہے حتیٰ کہ حسبِ ضرورت سر دھلوانا اور کنگھا کروانا بھی جائز ہے، مگر بوس وکنار کی اعتکاف میں ہرگز اجازت نہیں۔ گھر سے ملنے کیلئے کوئی آئے تو جائے اعتکاف سے نکل کر اُسے الوداع کر سکتا ہے، مسجد میں جمعہ نہ ہو تو دوسری مسجد میں جمعہ کیلئے جا سکتا ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ جمعہ فرض اور اعتکاف سنّت ہے اور اعتکاف کے فضائل وبرکات سے مردوں کی طرح ہی عورتیں بھی بہرہ ور ہو سکتی ہیں جبکہ کام کاج کیلئے کوئی ہو اور حیض ونفاس سے پاک ہوں تاہم استحاضہ کی حالت میں جائز ہے۔ عورتیں عموماً اپنے گھر کے کسی گوشہ میں کپڑا وغیرہ لگا کر جائے اعتکاف بنا کر اُس میں ہی اعتکاف کرتی ہیں جبکہ اعتکاف کے ساتھ مسجد کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے لہٰذا یہی صحیح ہے کہ کسی فتنے کا ڈر نہ ہو تو عورتیں بھی مسجد میں ہی اعتکاف کریں جیسا کہ امہات المؤمنین اور صحابیات رضی اللہ عنہن کا عمل منقول ہوا ہے۔

آغازِ اعتکاف:

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص رمضان المبارک کے آخری دس

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۲

دنوں کا اعتکاف کرنا چاہے تو وہ اپنی جائے اعتکاف میں کب داخل ہو؟ آغازِ اعتکاف کے بارے میں بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الصُّبْحَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَّعْتَكِفَ فِيْهِ)) [1]

''رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کرنے کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھ کر اُس جگہ میں داخل ہوتے جہاں اعتکاف فرمانے کا ارادہ ہوتا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف کا اول وقت نمازِ فجر کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور امام اوزاعی، ثوری اور ایک قول میں امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے مگر آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص اعتکاف کا ارادہ کرے تو ۲۰ رمضان کے غروبِ آفتاب سے پہلے اعتکاف کے ارادے سے مسجد میں داخل ہوجائے اور مذکورہ حدیث کا مفہوم انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ مغرب سے پہلے معتکف کی حیثیت سے مسجد میں تشریف لے گئے تھے اور نمازِ فجر کے بعد مسجد میں اعتکاف کیلئے بنائی گئی جگہ میں خلوت اختیار فرمائی تھی۔ [2]

آئمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے بیان کردہ اس مفہوم سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اکیسویں شب مسجد میں رہ کر نمازِ صبح کے بعد اعتکاف کی جگہ میں داخل ہونا چاہیئے اور اسی طرح ہی آخری عشرہ کی پانچ طاق راتیں اعتکاف میں گزاری جاسکتی ہیں۔ [3]

جائے اعتکاف:

اعتکاف کیلئے مسجد ضروری ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: ۱۸۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾

''اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہوتو اپنی بیویوں سے مباشرت (یعنی

---

[1] الحدیث رواہ الخمسۃ واحمد وغیرہ واللفظ لہٗ، الفتح الربانی ۱۰/۲۴۲، المشکوٰۃ ۱/۶۴۹

[2] الفتح الربانی ۱۰/۲۴۵ [3] فتاویٰ علمائے حدیث ۶/۴۵۷

بوس وکنار بھی) نہ کرو۔“

اس آیت میں اعتکاف کا ذکر مسجد کے ساتھ آیا ہے، ایسے ہی بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((اَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَهِيَ حَائِضٌ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا يُنَاوِلُهَا رَأْسَهُ)) [1]

”وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سرِ اقدس کو کنگھی کیا کرتیں حالانکہ وہ حیض سے ہوتیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں معتکف ہوتے اور وہ اپنے حجرہ میں ہوتیں (جو مسجد کی دیوار سے متصل ہی تھا) نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سرِ مبارک انکی طرف باہر نکال دیتے۔“

اس حدیث سے معتکف کیلئے کنگا تیل کے جواز کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف صرف مسجد میں ہی ہوسکتا ہے۔

شرائطِ اعتکاف:

ابوداؤد ونسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے:

((وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ)) [2]

”جامع مسجد کے سوا اعتکاف درست نہیں ہے۔“

جمہور آئمہ وعلماء نے ہر مسجد میں اعتکاف جائز قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ واحمد رحمۃ اللہ علیہما نے اُن مسجدوں میں اعتکاف کرنے کو کہا ہے جن میں پنجگانہ نمازوں کی باقاعدہ جماعت ہوتی ہو۔ [3]

اس سے بھی بڑھ کر معتکف کو چاہیئے کہ اُس مسجد میں اعتکاف کرے جسمیں جمعہ بھی

---

[1] الحدیث متفق علیہ، نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۶، فتح الباری ۴/۲۷۳

[2] ابوداؤدونسائی، نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۷، مشکوٰۃ ۱/۶۴۸ [3] نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۸

ہوتا ہو کیونکہ نمازِ جمعہ فرض ہے۔ اگر جمعہ ترک کرتا ہے تو یہ ترکِ فرض وواجب ہے جبکہ اعتکاف صرف سنّت ہے۔ [۱]

اگر کسی ایسی مسجد میں اعتکاف بیٹھ جائے جہاں جمعہ نہیں ہورہا تو نماز جمعہ کیلئے اسکا دوسری مسجدِ جامع میں جانا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور امام ابوحنیفہ، مالک، احمد اور ایک قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نمازِ جمعہ کیلئے دوسری مسجد میں جانے سے اسکا اعتکاف ہرگز باطل نہیں ہوگا۔ [۲]

مباحاتِ اعتکاف:

① دورانِ اعتکاف اگر مُعتکف کے گھر سے اسکی بیوی کھانا وغیرہ لیکر آئے تو اُس سے وہ پکڑ سکتا ہے، اِس سے اُسکے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

② بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس کو کنگھی کر دیا کرتی تھیں جیسا کہ حدیث کے الفاظ اور ترجمہ ابھی ہی گزرا ہے۔ اور صحیحین و سننِ اربعہ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فَغَسَّلْتُ رَأْسَهُ)) [۳] ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس دھویا۔''

آج تو تمام ہی مساجد میں نہانے کا بھی انتظام موجود ہوتا ہے۔ الغرض نہانے، تیل لگانے اور کنگھا کرنے سے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اپنی بیوی سے بات چیت بھی کرسکتا ہے اور اسکے جانے پر جائے اعتکاف سے نکل کر الوداع بھی کرسکتا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم اور سننِ اربعہ الاّ الترمذی میں اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرما رہے تھے کہ ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے گئی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور پھر میں کھڑی ہوئی اور پلٹی

---

[۱] فتاویٰ علمائے حدیث ۶/۲۵۹، فقہ السنّہ ۱/۴۷۸، تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۰

[۲] الفتح الربانی ۱۰/۲۵۲ [۳] الفتح الربانی ۱۰/۲۴۸

تو آپ ﷺ بھی مجھے الوداع کہنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ [1]

③ اگر مسجد میں نمازیوں کیلئے تنگی کا باعث نہ ہو تو معتکف خلوت گزینی کیلئے کچھ جگہ مخصوص کر کے اسے کپڑے وغیرہ سے محدود کر سکتا ہے اور اسمیں چٹائی یا گدّا وغیرہ ڈال سکتا ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((أَنَّ النَّبِیَّ (ﷺ) کَانَ اِذَا اعْتَکَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْیُوْضَعُ لَهٗ سَرِیْرُهٗ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ)) [2]

”نبی ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو استوانۃ التوبہ کے پاس آپ (ﷺ) کا بستر ڈال دیا جاتا یا چارپائی رکھ دی جاتی۔“

استوانۂ توبہ کا یہ نام حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ توبہ قبول ہونے تک باندھ لینے کی وجہ سے پڑا اور اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمالی۔

④ اگر اُس مسجد میں قضائے حاجت کیلئے بیت الخلاء نہ ہو تو اس غرض سے باہر یا اپنے گھر جا سکتا ہے کیونکہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((کَانَ لَا یَدْخُلُ الْبَیْتَ اِلَّالِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ اِذَا کَانَ مُعْتَکِفاً)) [3]

”نبی ﷺ جب مُعتکف ہوتے تو انسانی ضرورت (یعنی قضائے حاجت) کے سوا آپ (ﷺ) کسی دوسری ضرورت کیلئے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔“

ممنوعاتِ اعتکاف:

① سنن ابوداؤد میں ہے:

((اَلسُّنَّةُ عَلٰی الْمُعْتَکِفِ اَلَّا یَعُوْدَ مَرِیْضاً وَلَا یَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا یَمُسَّ اِمْرَأَةً وَلَا یُبَاشِرُهَا)) [4]

[1] الفتح الربانی ۲۴۹/۱۰ [2] نیل الاوطار ۲۶۶/۴/۲ [3] نیل الاوطار ۲۶۶/۴/۲

[4] ابوداؤد و نسائی ایضاً بغیر ذکر السنۃ، نیل الاوطار ۲۶۶/۴/۲

”اعتکاف کرنے والے کیلئے سنّت یہ ہے کہ وہ نہ تو مریض کی عیادت ومزاج پرسی کرے، نہ کسی جنازے میں شرکت کیلئے جائے اور نہ اپنی بیوی کو چھوئے اور نہ ہی بوس وکنار کرے۔“

یہاں چھونے سے مراد جماع ہے جبکہ شہوت کے بغیر محض چھونا منع نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھونے اور کنگھی کرنے کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے جبکہ شہوت سے محض چھونا بھی آئمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے۔ ⑴

مسجد سے نکلنے کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ ومالک وغیرہ کا یہی مسلک ہے البتہ امام شافعی واحمد وغیرہ کے نزدیک اگر معتکف شروع میں ان امور کی شرط لگالے تو مسجد سے نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ⑵

اس بات پر بھی اکثر آئمہ وعلماء کا اتفاق ہے کہ معتکف کیلئے نفلی نمازیں، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور کتبِ تفسیر وحدیث وغیرہ کا مطالعہ مستحب ہے۔ ⑶

لیکن امام احمد اور مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ مستحب نہیں کیونکہ انکے نزدیک مطالعہ کتب سے تعلق باللہ میں کمی واقع ہوتی ہے جو مقاصدِ اعتکاف کے خلاف ہے۔ ⑷

② یہ ایک عام اسلامی قاعدہ ہے کہ فضول گوئی اور فضول کاموں سے باز رہے چنانچہ ترمذی وابن ماجہ میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ)) ⑸

”انسان کے حسنِ اسلام میں سے یہ ہے کہ وہ فضول (بات یا کام) کو ترک کردے۔“

صحیح بخاری ومسلم میں یہ بھی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

⑴ الفتح الربانی ۱۰/۲۵۲ ⑵ نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۷، الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳/۵۱۸۔۵۱۹
⑶ الفتح الربانی ۱۰/۲۵۴ ⑷ الفتح الربانی ۱۰/۲۵۴ ⑸ فقہ السنۃ ۱/۴۸۰

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْلِيَصْمُتْ)) [1]

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ (جب بھی بات کرے تو) اچھی بات کرے یا پھر چپ رہے۔"

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو عام روزمرہ کی زندگی کیلئے قاعدہ ہے جبکہ مُعتکف کیلئے فضولیات سے پرہیز کرنا اور بھی ضروری ہے البتہ اگر کوئی مُعتکف عالم ہے تو اُسے اپنے ملنے والوں کو وعظ ونصیحت یا مختلف اوقات میں درسِ قرآن وغیرہ کی ممانعت نہیں البتہ اگر کوئی شخص نیکی کے زعم میں روزے یا اعتکاف کی حالت میں خاموشی کو اپنے لیئے لازم کرلیتا ہے تو یہ درست نہیں بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو تمام اہلِ علم کا اسکے مکروہ بدعت ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ سائے میں نہیں بیٹھے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ سے رہے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے روزہ پورا کرنے کے باقی امور کو ترک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((مُرُوهُ فَلْيَجْلِسْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ)) [2]

"اسے حکم دو کہ بیٹھ جائے، سایہ حاصل کرے، بات چیت کرے البتہ اپنا روزہ مکمل کرلے۔"

بخاری شریف میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے چپ سادھ لینے والی عورت کو کہا کہ یہ حلال وجائز نہیں بلکہ یہ تو اہلِ جاہلیت کا عمل ہے۔ [3]

لہٰذا نیکی کے زعم میں چپ سادھ لینا منع ہے۔

③ فضول باتوں اور کاموں کی بھی ممانعت ہے مگر مطلق بات چیت منع نہیں جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بات چیت کرنا ثابت ہے۔

[1] بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۲۹۳، اللؤلؤ والمرجان حدیث: ۳۰

[2] فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۲۹۲ [3] بحوالہ سابقہ أیضاً

بدن کی صفائی:

اعتکاف کرنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ اعتکاف بیٹھنے سے قبل اپنے بدن اور کپڑوں کی خوب صفائی کرلیں، ناخن اور غیر ضروری بال صاف کرلیں۔ اگر دورانِ اعتکاف ناخن یا بال کاٹنے کی ضرورت پیش آجائے تو مسجد کی صفائی اور احترام کا خیال رکھتے ہوئے کاٹ سکتا ہے کیونکہ بخاری ومسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو دیتی اور کنگھا کر دیتی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ اعتکاف میں ہی اپنا سرِ اقدس مسجد سے باہر کی طرف نکال دیتے تھے، اُسی حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کنگھا کرنے پر قیاس کرتے ہوئے نظافت وصفائی کرنے، خوشبو لگانے، غسل کرنے، حجامت بنانے اور زینت کرنے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ان امور میں سے کوئی بھی کام مکروہ نہیں سوائے اسکے کہ مسجد میں کوئی کام کرنا اصلاً ہی مکروہ ہو۔ [۱]

اقسامِ اعتکاف:

اعتکاف صرف یہی نہیں جو رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں کیا جاتا ہے بلکہ اعتکاف کی کئی قسمیں ہیں:

① ایک ہے اعتکافِ مسنون جو یہی ہے جسکی تفصیل ذِکر کی گئی ہے۔

② دوسرا اعتکاف واجب ہے کہ جسے کوئی شخص اپنے آپ پر واجب کرلے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا فلاں کام کردے تو میں اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ یہ اعتکاف جسکی نذر مانی جائے یہ واجب ہے کیونکہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے جبکہ وہ اللہ کی نافرمانی میں نہ ہو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

---

[۱] فتح الباری ۴/۲۷۳، نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۶

((مَنْ نَذَرَ أَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ)) [1]

''جوشخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی نذر مانے تو اُسے اطاعت کرکے وہ نذر پوری کرنی چاہیئے۔''

بخاری اور مسلم شریف میں ہی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)!

((اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ))

''میں نے نذر مان رکھی ہے کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرونگا۔''

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَوْفِ بِنَذْرِكَ)) [2] ''تو پھر اپنی نذر پوری کرو۔''

③ تیسرا اعتکاف مستحب ہے کہ کوئی حصولِ ثواب اور تقرّبِ الیٰ اللہ کیلئے ایک دن ایک رات یا کم وبیش وقت کے اعتکاف کی نیّت سے مسجد میں بیٹھ جائے جیسا کہ مصنّف عبدالرزاق میں حضرت یعلیٰ بن امیّہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اِنِّيْ لَأَمْكُثُ فِي الْمَسْجِدِ سَاعَةً وَمَا أَمْكُثُ اِلَّا لِاَعْتَكِفَ)) [3]

''میں مسجد میں ایک گھڑی گزارتا ہوں اور یہ وقت میں اعتکاف (کی نیّت) سے گزارتا ہوں۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جتنا اعتکاف کرنے کی ہمت وفرصت پائے اتنا ہی کرسکتا ہے۔اعتکاف کی ان تینوں اقسام کے پیشِ نظر اب یہ مسئلہ درپیش آجاتا ہے کہ کیا اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے؟

تو اس سلسلہ میں آئمہ وفقہاء میں دو رائے ہیں: امام ابوحنیفہ و مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے کیونکہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

[1] فقہ السنہ ۱/۴۷۵ [2] حوالہ سابقہ [3] الفتح الربانی ۱۰/۲۵۴

((لَا اِعْتِکَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ)) [۱] ''روزے کے بغیر اعتکاف نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام حسن بصری، شافعی، مشہور روایت میں احمد بن حنبل اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک روزہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت موقوف ہے یعنی وہ انکی اپنی رائے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ الفاظ ثابت نہیں جبکہ ابھی قریب ہی گزری حدیثِ بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک رات کے اعتکاف کی نذر ماننے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں نذر پوری کرنے کا حکم دینے کا ذکر ہے اور رات کو روزہ ہوتا ہی نہیں اور بخاری و مسلم میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شوال کے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کرنا مذکور ہے جن میں ظاہر ہے کہ پہلا دن عید الفطر کا ہوتا ہے اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے اور دار قطنی و مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے جسے دار قطنی و بیہقی نے موقوف اور حاکم نے مرفوع قرار دیا ہے جسمیں ہے:

((لَیْسَ عَلٰی الْمُعْتَکِفِ صِیَامٌ اِلَّا اَنْ یَّجْعَلَہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ)) [۲]

''اعتکاف کرنے والے کیلئے روزہ شرط نہیں سوائے اسکے کہ وہ اُسے خود اپنے لیئے لازم کرلے۔''

امام ابن تیمیہ و ابن قیم رحمہما اللہ نے جمہور کے مسلک ''روزہ شرط ہے'' کو ہی ترجیح دی ہے۔ [۳]

معروف مفسّر و محدّث اور فقیہہ و مجتہد امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں فریقین کے دلائل اور تفصیلات ذکر کرنے کے بعد اِسی مسلک کو ترجیح دی ہے کہ اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں مستحب ہے۔ [۴]

اِسی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ دورانِ اعتکاف اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے اور روزہ نہ رکھ

[۱] نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۷ [۲] نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۸

[۳] زاد المعاد بتحقیق الارناؤوط، الفتح الربانی ۱۰/۲۵۳

[۴] نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۷ تا ۲۶۹، الفتح الربانی ۱۰/۲۵۳ تا ۲۵۴

پائے تو اسکا اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔اعتکاف مکمل کرے اور رمضان کے بعد اُس روزے کی قضاء کرلے اور غیر رمضان کے مستحب اعتکاف میں روزہ رکھے یا نہ رکھے اُسے اختیار ہے۔

اعتکاف کی قضاء:

یہیں یہ مسئلہ بھی حل کرلیں کہ اگر شدید بیماری یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے کوئی شخص اعتکاف کو درمیان میں ہی توڑنے پر مجبور ہو جائے تو کیا اُسے اعتکاف کی قضاء کرنا ہوگی یا نہیں؟

اس سلسلہ میں بھی آئمہ وفقہاء کے دو فریق ہیں۔امام مالک اور احناف کے نزدیک قضاء کرنا واجب ہے اور انکا استدلال صحیحین وابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ اور مسند احمد میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی اس حدیث سے ہے جسمیں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک سال رمضان میں اعتکاف شروع فرمایا مگر بعض وجوہات کی بناء پر درمیان میں ہی ترک کردیا تو پھر شوال میں دس دن اعتکاف فرمایا۔ [۱] لیکن امام شافعی اور حنابلہ کے نزدیک قضاء واجب تو نہیں البتہ چاہے تو کرلے نہ چاہے تو اسکی مرضی کیونکہ قضاء صرف مستحب ہے (کرنے پر ثواب ہوگا نہ کرنے پر گناہ نہیں) ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی انسان کوئی نفلی عمل شروع کرتا ہے مگر کسی وجہ سے پورا نہیں کرپاتا تو اُسے اختیار ہے کہ اسکی قضاء کرے یا نہ کرے اور نبی ﷺ کے شوال میں اعتکاف کے بارے میں اُنکا کہنا ہے کہ اُس سے وجوب کا پتہ نہیں چلتا بلکہ اختیار کا ہی ثبوت ملتا ہے اور اُسی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی وہی اعتکاف درمیان میں ترک کیا تھا لیکن انہیں قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا تو گویا نبی ﷺ کا قضاء کرنا بطورِ استحباب تھا نہ کہ بطورِ وجوب۔ [۲]

---

[۱] نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۵ الجماعۃ الا الترمذی، منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۵

[۲] الفتح الربانی ۱۰/۲۴۶ تا ۲۴۷، نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۴۔۲۶۵

عورتوں کا اعتکاف:

قارئینِ کرام! مردوں کی طرح ہی عورتوں کیلئے بھی اعتکاف مشروع اور باعثِ اجر وثواب ہے کیونکہ بخاری و مسلم، ابوداؤد اور مسند احمد میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ [1]

عورتوں کا حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے البتہ ایسی بیماری جس میں اُسے مسلسل خون جاری رہتا ہے جسے حدیث میں ''استحاضہ'' کہا گیا ہے اُس میں نماز وروزہ بھی جائز ہے اور اعتکاف بھی کرسکتی ہے کیونکہ بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ (ﷺ) اِعْتَکَفَ مَعَهٗ بَعْضُ نِسَائِهٖ وَهِیَ مُسْتَحَاضَةٌ)) [2]

''نبی ﷺ کے ساتھ آپ (ﷺ) کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے اعتکاف کیا حالانکہ وہ استحاضہ کی حالت میں تھیں۔''

بخاری ومسلم، سننِ اربعہ اور مؤطا امام مالک میں مذکور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف چونکہ فرض نہیں اسلیئے عورت کو جمہور آئمہ وفقہاء کے نزدیک اپنے شوہر سے اجازت ومشورہ کرلینا چاہیئے۔ [3]

بخاری ومسلم، سننِ اربعہ میں مذکور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشقّت کے باوجود ہمیشہ مسجد میں ہی اعتکاف فرمایا اور قرآنِ کریم کے الفاظ ﴿وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ﴾ (سورۂ بقرہ:۱۸۷) سے بھی یہی پتہ چلتا ہے لہٰذا امام مالک، احمد، شافعی وغیرہ جمہور آئمہ واہلِ علم کے نزدیک اعتکاف کا مسجد میں ہونا شرط ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ اگر گھروں میں اعتکاف جائز ہوتا تو آپ ﷺ

---

[1] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۶۴۸ [2] اللفظ للبخاری، نیل الاوطار ۲/۴/۶۶۹

[3] انظر لنص الحدیث الفتح الربانی ۱۰/۲۵۵-۲۵۶

کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ضرور گھروں میں ہی اعتکاف کرتیں۔لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف کیلئے مسجد کی شرط صرف مردوں کیلئے ہے عورت گھر میں ہی (کوئی جگہ خاص کرکے) اعتکاف کرسکتی ہے اور امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کے بعض اصحاب نے بھی عورت کو گھر میں اعتکاف کرنے کی اجازت دی ہے اور عہدِ نبوت کے لوگوں کی نیکی وتقویٰ اور معاشرے کے برائیوں سے پرامن ہونے اور آج کے زمانے میں نیکی وتقویٰ کی قلّت اور معاشرے میں برائیوں سے امن کا قحط ہونے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شیخ احمد عبدالرحمٰن البنّا کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہی مناسبِ حال ہے کہ عورت اپنے گھر میں ہی اعتکاف کرے۔ [1]

اور اعتکاف کے دیگر تمام مسائل عورت اور مرد دونوں کیلئے یکساں ہیں۔

شبینہ:

ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (شبینہ) کے نام سے جو ایک ہی رات میں تلاوتِ قرآنِ پاک کا رواج ہے اور لوگ کثرتِ ثواب کی خاطر اس میں بکثرت شرکت کرتے ہیں اور بعض مساجد میں کئی کئی شبینے ہوتے ہیں اس شبینہ میں جو مضرتیں اور قباحتیں مثلاً عدمِ ترتیل، حفّاظ وقرّاء میں فخر ومباہات اور ضعیف وکمزور لوگوں کیلئے باعثِ اکتاہٹ ہونا وغیرہ ہیں ان سے قطع نظر شبینے کی ممانعت کا ثبوت صرف یہی کیا کم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ)) [2]

"جس نے قرآن کو تین دن رات سے کم میں پڑھا وہ اسکو سمجھا نہیں۔"

اسی ارشاد اور دیگر احادیث کے پیشِ نظر اہل علم نے تین دن رات سے کم میں قرآنِ کریم پڑھنے سے منع کیا ہے۔اور شبینوں والا یہ انداز سلف میں کسی سے ثابت نہیں اور نہ ہی اسے پسند کیا گیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات میں قرآن ختم

[1] الفتح الربانی ۱۰/۲۴۱، ۲۴۲

[2] ترمذی، ابوداؤد، دارمی وصححہ الالبانی، مشکوۃ ۱/۶۷۴

کرنے کی اجازت مانگنے والے کو کہا کہ مجھے تو ایک رات میں قرآن ختم کرنے سے صرف ایک سورت ختم کرنا زیادہ محبوب ہے اور ابنِ مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بلا ترتیل و تدبّر زیادہ قرآن پڑھنے سے ترتیل و تدبّر کے ساتھ کم قرآن پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((لَا أَعْلَمُ اَنَّ النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَرَأَ الْقُرْآنَ فِیْ لَیْلَةٍ وَلَا قَامَ لَیْلَةً حَتّٰی اَصْبَحَ)) [2]

"مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مکمل قرآن ایک رات میں پڑھا ہو یا طلوعِ فجر تک ساری رات قیام فرمایا ہو۔"

گویا مروّجہ شبینہ ناجائز ہے۔

قضاء عمری:

بعض لوگ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں قضاء عمری کے نام سے ایک نماز پڑھتے ہیں جو ظہر و عصر کے درمیان فجر کی سنتوں سمیت ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے فرض اور وتر پھر چار رکعت قضاء عمری پڑھی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ساری عمر کی قضاء نمازوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کسی سے ثابت نہیں اور دین کے ساتھ سراسر مذاق ہے۔ ایسی بدعات کے سہارے نظامِ دین میں تعطّل پیدا ہوتا ہے جسے ایک ہی دن میں ساری عمر کی نمازوں کے کفّارہ کا نسخہ ہاتھ آجائے اسے بھلا پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ غرض بعض جاہل عابدوں، زاہدوں اور صوفیوں کی ایجاد کردہ یہ نماز سراسر خلافِ سنّت اور عین بدعت ہے۔ [3]

---

[1] زاد المعاد ۱/۸۸۔۸۹ و جدید فقہی مسائل، ص ۹۶ تا ۱۱۰

[2] فتاویٰ علماء حدیث ۶/۳۶۲۔۳۶۳ [3] فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۱۳۔۱۱۴

صدقۂ فطر

رمضان المبارک اور روزے کے احکام ومسائل میں سے ہی ایک ''صدقۂ فطر'' بھی ہے جسے زکوٰۃ الفطر، فطرانہ اور فطرہ بھی کہا جاتا ہے۔اس کا حکم پہلی بار ۲ھ میں (عید سے دو دن قبل رمضان میں) دیا گیا تھا۔ [1]

اسکی فرضیت:

یہ صدقۂ فطر جمہور آئمہ وفقہاء کے نزدیک فرض ہے۔ [2]

اوراحناف کے نزدیک یہ واجب ہے جبکہ فرض یا واجب دونوں میں صرف معمولی لفظی ونظری فرق ہے ورنہ عملاً دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ [3]

اس صدقہ کی مشروعیت وفرضیت قرآن وسنّت سے ثابت ہے چنانچہ تیسویں پارے کی سورۂ اعلیٰ کی آیت:۱۴اور ۱۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور پھر نماز پڑھی۔''

اس آیت میں جو لفظِ تَـزَکّٰـی ہے اس سے مراد زکوٰۃ الفطر ادا کرنا ہے جیسا کہ صحیح ابن خذیمہ میں ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ))

''کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اس آیت ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ کے بارے پوچھا گیا۔''

---

[1] تحفۃ الاحوذی ۳/۳۴۴ نقلاً عن القسطلانی
[2] تحفۃ الاحوذی ۳/۳۴۸
[3] بذل المجہود ۲/۱/۲۳، فقہ السنّۃ اردو ۲/۲۲۶

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((نَزَلَتْ فِيْ زَكٰوةِ الْفِطْرِ)) [1]

''یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

ابن عُیینہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آدمی عیدالفطر کی نماز سے پہلے پہلے اپنی زکوٰۃ الفطر ادا کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور پھر نماز پڑھی۔''

نبی ﷺ کے ارشاد اور حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ آدمی فلاح پا گیا جس نے صدقۂ فطر ادا کردیا پھر اپنے رب کا نام یاد کیا یعنی عیدلفطر کیلئے جاتے ہوئے تکبیریں پڑھتا رہا اور پھر نمازِ عید ادا کی۔ امام بغویؒ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں بھی اس آیت کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر مفسّرین سے یہی مفہوم نقل کیا ہے کہ حضرت ابوسعید اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور ابوالعالیۃ وابن سیرین رحمۃ اللہ علیہما نے بھی ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ سے صدقۂ فطر کی ادائیگی مراد لی ہے اور بخاری ومسلم میں ایک اعرابی کا واقعہ مذکور ہے جس میں وہ نبی ﷺ کی مجلس میں تمام فرائض کی پابندی سے ادائیگی کا عہد کرکے نکلتا ہے تو نبی ﷺ اسکے بارے میں فرماتے ہیں:

((أَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ))

''اگر اس نے اپنے عہد کو سچا کر دکھایا تو فلاح پا گیا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ صحیحین میں

---

[1] ابن خذیمہ، نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۴

اُس آدمی (اعرابی) کے فلاح پا جانے کا ثبوت موجود ہے جو صرف فرائض پابندی سے ادا کرے اور ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ میں بھی فلاح کا ذکر ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر بھی فرض ہے۔ ﴿۱﴾

صدقۂ فطر کی فرضیت کی دلیل حدیثِ شریف میں بھی موجود ہے چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) زَكٰوةَ الْفِطْرِ)) ﴿۲﴾

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض کیا ہے۔"

اسکی حکمت:

اس صدقۂ فطر کی ادائیگی میں حکمت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنَ)) ﴿۳﴾

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا تا کہ روزہ دار سے روزہ کی حالت میں جو کوئی فضول ونازیبا بات سرزد ہو گئی ہو وہ اُس سے پاک ہو جائے اور مسکینوں کو (کم از کم عید کے روز خوب اچھی طرح سے) کھانا میسر آ جائے۔"

زکوٰۃ الفطر کی اس حکمت پر غور فرمائیں اور اندازہ کریں کہ ہمارے رسولِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو غرباء ومساکین کا کتنا خیال رہتا تھا۔ اور اس فطرانہ کے ساتھ ہی دوسری

﴿۱﴾ فتاویٰ علمائے حدیث ۱۱۹/۷، نیل الاوطار حوالہ سابقہ

﴿۲﴾ الحدیث متفق علیہ، مشکوٰۃ ۵۷/۱

﴿۳﴾ رواہ ابوداؤد وقال الالبانی: وسندہ جید، المشکوٰۃ ۵۷۰/۱

سالانہ زکوٰۃ اور دیگر نفلی صدقات و خیرات کو ملا کر دیکھیں کہ دین اسلام نے اس صفحۂ ہستی سے غربت وافلاس کے خاتمے کے ضامن حل پیش کیۓ ہیں اور یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام وہ نظامِ حیات ہے جس نے کسی بھی موقع پر غریب کو نظر انداز نہیں کیا اور اسلام کے معاشی نظام کے سامنے مغربی نظامِ معیشت سورج کے سامنے چراغ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ ۱۹۷۱ء میں ''یومِ شوکتِ اسلام'' کے موقع پر روز نامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی خصوصی اشاعت میں ایک لمبی چوڑی رپورٹ مغربی معاشی نظاموں کے بارے میں شائع کی تھی اور دنیائے سرمایہ داری واشتراکیت کا تعارف اِن شہ سرخیوں سے کروایا تھا۔ ''دنیائے سرمایہ داری، جہاں آپ رو تو سکتے ہیں ہنس نہیں سکتے اور دنیائے اشتراکیت جہاں آپ نہ رو سکتے ہیں نہ ہنس سکتے ہیں۔''

اُن نظاموں سے ہٹ کر اگر آج بھی مسلمان اسلامی نظامِ معیشت کو سمجھنے اور اپنانے کی کوشش کریں تو آج بھی یہ چرخِ کہن سال وہ نظارہ دیکھ سکتا ہے جو صدیوں پہلے چشمِ فلک نے دیکھا کہ لوگ زکوٰۃ کا مال ہاتھ میں لیۓ پھرتے مگر اُسے قبول کرنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ خوشحالی کے ضامن اِس اسلامی نظامِ معیشت کا ایک چھوٹا سا حصہ یہ صدقۂ فطر بھی ہے۔ جسکی حکمت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ روزے دار کی کوتاہیوں سے طہارت کے ساتھ ساتھ فقراء ومساکین کیلئے اچھے کھانے کا انتظام ہو جائے اور وہ بھی عام مسلمانوں کی عید کی خوشیوں میں شرکت کر سکیں۔

فطرانہ کن پر؟:

یہ صدقۂ فطر صرف انہی لوگوں پر واجب نہیں جنہوں نے روزے رکھے ہوں بلکہ جمہور آئمہ کے نزدیک یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعاً مِّنْ تَمْرٍ أَوْصَاعاً مِّنْ

شَعِیْرٍ عَلٰی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ))

''نبی ﷺ نے کھجور کا ایک صاع صدقۂ فطر کے طور پر ہر غلام وآزاد، مرد و زن اور چھوٹے بڑے مسلمان پر فرض کیا ہے۔''

بخاری و مسلم میں ہی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعاً مِّنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعاً مِّنْ شَعِیْرٍ أَوْصَاعاً مِّنْ تَمْرٍ أَوْصَاعاً مِّنْ أَقِطٍ أَوْصَاعاً مِّنْ زَبِیْبٍ)) [1]

''ہم ایک صاع کھانا یا ایک صاع جَو یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش (خشک انگور یا منقہ) صدقۂ فطر میں دیا کرتے تھے۔''

صدقۂ فطر نکالنے کا حکم چونکہ عام ہے اسمیں تمام مسلمان برابر ہیں چاہے کوئی مالدار ہو یا فقیر لہٰذا تنگدست کو بھی صدقہ نکالنا چاہیئے۔ امام شعبی، عطاء، ابن سیرین، زھری، عبداللہ بن مبارک، امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے اور مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے کہ تنگدست بھی صدقہ دے۔ [2]

مالکیہ کے نزدیک تو قرضہ لے کر بھی صدقہ دینا ہی چاہیئے اور حنبلی وشافعی فقہاء کے نزدیک اگر کسی کے پاس (عید کے) ایک دن اور رات کی خوراک سے فاضل غلہ موجود ہو تو اسکے لیئے صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ [3]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اُس شخص کیلئے صدقہ ضروری قرار دیا ہے جسکے پاس زکوٰۃ نکالنے کا نصاب یعنی ساڑھے باون تولے چاندی (یا اسکی موجودہ قیمت کے برابر رقم) موجود ہو۔ البتہ متاخرین احناف کے نزدیک بھی ساڑھے باون تولے چاندی (نصابِ زکوٰۃ) کی

[1] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۵۷۰ [2] الفتح الربانی ۹/۱۴۰ [3] المغنی ۳/۶۷ وما بعد

مالیت سے زائد گھریلو سامان رکھنے والے مسلمان پر صدقۂ فطر واجب ہے چاہے اس پر زکوٰۃ فرض نہ بھی ہوئی ہو۔ [1]

لیکن دوسرے تمام آئمہ وفقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کیلئے کسی کا صاحبِ نصاب ہونا اسلیئے ضروری نہیں کہ یہ صدقہ ایک بدنی صدقہ ہے، مال کا صدقہ یعنی زکوٰۃ نہیں تو گویا مال کے صدقہ یا سالانہ زکوٰۃ کیلئے تو نصاب شرط ہے مگر اس صدقۂ فطر کیلئے نصاب کی شرط ضروری نہیں لہٰذا ہر کسی کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ [2]

صدقۂ فطر کے سلسلہ میں ہم نے بخاری ومسلم کی جو احادیث آپ کے سامنے رکھی ہیں اُن میں پانچ اشیاء سے صدقہ نکالنے کا ذکر ہے جن میں کھانا، جَو، کھجور، پنیر اور کشمش شامل ہیں جبکہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ہی یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو گندم عام ہوگئی تو انہوں نے کہا:

(أَرَىٰ مُدّاً مِّنْ هٰذَا يَعْدِلُ مُدَّيْنِ)(وزاد الترمذی: مِنْ تَمْرٍ) [3]

''مجھے لگتا ہے اِس (گندم) کا ایک مُد (دیگر اشیاء بروایتِ ترمذی: کھجور کے) دو مُدّوں کے برابر ہے۔''

لہٰذا گندم کے ساتھ مل کر غلّوں کی تعداد چھ ہوگئی۔ بعض روایات میں آٹے اور ستوؤں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ [4]

بخاری ومسلم وغیرہ میں جو لفظ طعام یعنی کھانا ہے اِس لفظ کے عموم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بیشمار آئمہ وفقہاء، محدّثین وعلماء اور مفتیانِ کرام نے لکھا ہے کہ افضل تو یہی ہے کہ ان مذکورۂ اُولیٰ چھ چیزوں سے ہی صدقہ نکالا جائے کیونکہ یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہیں البتہ اگر کسی

[1] مراقی الفلاح، فتاویٰ قاضی خان، درمختار بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور۔ اشاعتِ خصوصی جمعۃ الوداع ۲۴ رمضان ۱۴۰۷ھ

[2] نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۵۔۱۸۶

[3] الارواء الغلیل ۳/۳۳۶ تا ۳۴۰

[4] الفتح الربانی ۹/۱۴۷

علاقے کی غذاء ان چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو اُس سے بھی صدقۂ فطر ادا کرسکتا ہے لہٰذا جن علاقوں میں چاول، جوار، مکئی، باجرہ، ماش، چینا، مٹر، انجیر اور خشک توت وغیرہ بطورِ غذا استعمال ہوتے ہوں تو وہاں کے لوگ ان اشیاء سے بھی فطرانہ نکال سکتے ہیں۔ [1]

بخاری و مسلم کی جو احادیث ہم نے بیان کی ہیں اُن میں ذکر ہے کہ فطرانہ تمام چھوٹے بڑے مذکر و مؤنث اور آزاد و غلام مسلمان پر فرض ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام اپنا صدقہ خود نکالے مگر مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

((لَیْسَ فِی الْعَبْدِ صَدَقَۃٌ اِلَّا صَدَقَۃَ الْفِطْرِ)) [2]

''(مالک پر) اپنے غلام کی زکوٰۃ نکالنا ضروری نہیں سوائے صدقہ فطر کے۔''

اس سے معلوم ہوگیا کہ غلام کی زکوٰۃِ فطر اُسکا مالک نکالے گا اور جمہور اہلِ علم کا یہی مسلک ہے اور اُنہی احادیث میں (مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ) کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ صرف مسلمانوں پر ہے اگر کسی کا غلام یا بیوی اہلِ کتاب کافر ہو تو اُن کی طرف سے صدقہ نہیں دیا جائیگا اور اس پر تمام مذاہبِ اہلِ سنّت کا اتفاق ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص وجوب کے نظریہ سے نہیں محض نفلی طور پر غیر مسلم بیوی یا خادم کی طرف سے نکال دے تو کوئی مانع نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دیا کرتے تھے اور یہی حکم ان خادموں کا بھی ہے جو گھروں میں کام کرنے والے ہیں کہ اُن کی طرف سے گھر والا صدقہ کرے گا۔ وہ مسلمان ہے تو واجب ہے اور اگر غیر مسلم ہے تو مالک کو اختیار ہے۔ [3]

وہ بچہ جو عید کی رات پیدا ہو جائے جسے چاند رات بھی کہا جاتا ہے، اُسکے بارے میں آئمۂ دین کے دو فریق ہیں۔ امام ثوری، احمد، اسحاق، قولِ جدید میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اُس بچے کا فطرانہ ادا کرنا واجب نہیں جبکہ امام

[1] فتاویٰ علمائے حدیث ۷/۲۰۶تا۲۰۹ [2] نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۰

[3] نیل الاوطار، ۲/۴/۱۸۰تا۱۸۱، فقہ السنہ ۱/۴۱۳

ابو حنیفہ، لیث، قولِ قدیم میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اُس بچے کا فطرانہ ادا کرنا بھی واجب ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ فریقِ اوّل کے نزدیک فطرانے کے وجوب کا وقت رمضان کے آخری دن کا غروبِ آفتاب ہے جبکہ فریقِ ثانی کے نزدیک وقتِ وجوب یومِ عید کا طلوعِ فجر ہے۔ ﴿۱﴾

بہرحال اگر کسی کے یہاں ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو فطرانہ ادا کر دینے میں ہی احتیاط ہے۔ وجوباً نہ سہی نفلی ہی ہو جائے گا اور اختلاف سے بھی نکل جائے گا۔ جبکہ ابن ابی شیبہ کی ایک ضعیف روایت اور مسائلِ امام احمد میں وہی روایت صحیح مگر منقطع سند سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر چھوٹے بڑے اور حالتِ حمل والے بچے کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کیا کرتے تھے۔ ﴿۲﴾

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ ثابت نہ ہونے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذاتی فعل ہونے اور اُسکے بھی متصل سند سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے امام ابن المنذر نے اس بات پر تمام آئمۂ مذاہب کا اجماع نقل کیا ہے کہ جنین (یعنی حالتِ حمل والے بچے) پر صدقۂ فطر واجب نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اِسے واجب تو قرار نہیں دیتے تھے مگر اسے مستحب سمجھتے تھے۔ ﴿۳﴾

فطرانے کی مقدار:

اب رہا یہ مسئلہ کہ فطرانے کی مقدار کتنی ہے؟

تو اس سلسلہ میں بخاری و مسلم، سننِ اربعہ اور مسند احمد کی احادیث میں ایک صاع کا ذکر ہے۔ ﴿۴﴾ اور گندم کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں البتہ بعض مرسل روایات اور صحابۂ کرام کے ارشادات سے باقی اشیاء کی نسبت گندم کا نصف صاع ہونا ملتا ہے۔ ﴿۵﴾

﴿۱﴾ فقہ السنہ ۱/۴۱۴ ﴿۲﴾ الارواء الغلیل ۳/۳۳۱

﴿۳﴾ نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۱ ﴿۴﴾ المنتقی ۲/۴/۱۷۹

﴿۵﴾ نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۲ تا ۱۸۳

لیکن امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق اور بعض دوسرے آئمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بخاری ومسلم اور سننِ اربعہ ومسند احمد (والمنتقیٰ ایضاً) میں مذکور لفظ طعام میں ہی گندم بھی آجاتی ہے اور طعام سے ایک صاع فطرانہ صحیح احادیث میں ثابت ہے لہٰذا گندم کا بھی ایک صاع ہی نکالنا ضروری ہے۔ ﴿۱﴾

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گندم کا نصف صاع بھی کافی ہے اور اُن کا استدلال جن روایات سے ہے محدّثین نے انکی اسناد پر تنقید کی ہے لہٰذا دیگر آئمہ انہیں قابلِ حجت نہیں مانتے۔ بہرحال یہ آئمہ اور اہلِ علم کا ایک علمی اختلاف ہے اور ہمارے لیئے اِس اختلاف سے نکلنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زیادہ مقدار کو لے لیں جس سے یقیناً اجروثواب میں بھی اضافہ ہوگا اور کم مقدار اُس میں آ ہی جائیگی۔ ﴿۲﴾

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں اور برصغیر کے معروف محدّث علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (۳/۳۴۶ مدنی) میں ایک صاع کو ہی راجح اور زیادہ قرین احتیاط قرار دیا ہے۔

فطرانہ کسی چیز سے؟

غلّے کی تمام اقسام سے صدقۂ فطر ادا کیا جاسکتا ہے اور جائز ہے لیکن کس چیز کا صدقہ نکالنا افضل ہے؟

اس سلسلہ میں آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی مختلف آراء ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر اُس چیز سے صدقہ نکالنا افضل ہے جو سب سے قیمتی اور مہنگی ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گندم سے صدقۂ فطر نکالنا افضل ہے (چاہے وہ دوسری اشیاء سے مہنگی ہو یا سستی) اور امام مالک وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کھجور کا صدقہ نکالنا سب سے افضل ہے۔ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ المغنی ۳/۵۴ تا ۵۵، الفتح الربانی ۹/۱۴۷ تا ۱۴۸، نیل الاوطار حوالہ سابقہ
﴿۲﴾ حوالہ سابقہ نیل الاوطار ﴿۳﴾ الفتح الربانی ۹/۱۴۷

یہ اختلافِ رائے صرف فضیلت میں ہے جواز وعدمِ جواز میں نہیں بلکہ تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز سے بھی صدقۂ فطر نکالنا چاہے نکال سکتا ہے۔

نقد فطرانہ؟

آیا اِن اشیاء کی قیمت نقدی کی شکل میں بطورِ فطرانہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں آئمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی رائے کا اختلاف افضل وغیر افضل کا نہیں بلکہ جائز وناجائز کا ہے۔ چنانچہ حنابلہ کے نزدیک تو صرف وہی چیزیں دینا افضل وضروری ہے جنکا نصوصِ حدیث میں ذکر ہے اگر اُن چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری چیز دے تو وہ بھی جائز نہیں اور نہ ہی وہ قیمت نکالنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک بھی قیمت نکالنا جائز نہیں لیکن اگر کوئی نقدی کی شکل میں قیمت ہی نکالتا ہے تو وہ کفایت کر جائیگی مگر مکروہ ہے۔ اور شافعی فقہاء بھی قیمت نکالنے کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نقدی کی شکل میں غلے کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ [۱]

کسی خاص مجبوری کے سوا فطرانہ غلے کی شکل میں ہی دینا افضل ہے کیونکہ قیمت نکالنے کی شکل میں جِدّت پسندوں کو اور بھی راستہ مل جائیگا جو پہلے ہی کہہ رہے ہیں کہ قربانی جو کہ ایک شعارِ اسلام ہے اسکی جگہ قیمت دے دی جائے اور اپنی تائید میں سو اول فول عقلی اڑنگے لگاتے ہیں۔ عام قربانی اور حُجاج کی ہدی کے بعد پھر نہ معلوم یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے اور کہیں دیگر فرائض کی قیمت کا بھی نہ سوچا جانے لگے۔ فَلْیَتَدَبَّر

صاعِ شرعی کا وزن:

صدقۂ فطر اگر غلّے کی مختلف اجناس سے نکالنا ہو تو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جس پیمانے کو صاع کہا گیا ہے اسکی مقدار معلوم ہونی چاہیئے۔

---

[۱] حوالہ سابقہ والفقہ علیٰ المذہب الأربعہ ۱/۶۲۷

صاع کی دو قسمیں ہیں:

۱) ایک صاع حجازی یا مدنی جس سے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فطرانہ ادا فرمایا کرتے تھے اور آئمہ میں سے امام مالک، شافعی، احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور جمہور علماء اسلام کے نزدیک اِس کا وزن پانچ (۵) رِطل اور ایک تہائی (۱/۳) رطل ہے۔

۲) دوسرا صاع عراقی حجاجی کہلاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے ایک شاگرد امام محمد رحمہ اللہ اِسی صاع سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے قائل ہیں اور اسکا وزن آٹھ (۸) رطل ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(صَاعُ النَّبِيِّ (ﷺ) خَمْسَةُ اَرْطَالٍ وَثُلُثٍ وَصَاعُ أَهْلِ الْكُوفَةِ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ) [۱]

''نبی ﷺ کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہے جبکہ اہلِ کوفہ کا صاع آٹھ رطل ہے۔''

دونوں قسم کے صاع کا مذکورہ وزن تو مسلّم ہے اِس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اب صرف رطل کا وزن معلوم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اِسی اختلاف کی بناء پر مختلف مکاتب کے علماء میں سے بعض کے نزدیک دو سیر، بعض کے نزدیک ڈھائی سیر اور بعض کے نزدیک دو سیر گیارہ چھٹانک ہے اور عموماً کہہ دیا جاتا ہے کہ ایک صاع کا وزن تقریباً پونے تین سیر ہے اور یہ اختلاف کوئی مسلکی اختلاف نہیں بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء نے اپنی اپنی تحقیق سے مختلف اوزان ذکر کیلئے ہیں مثلاً صرف علماء احناف نے جب نصف صاع گندم کا وزن مقرر کرنے کیلئے تحقیق کی تو برصغیر کے چوٹی کے حنفی عالم مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے ایک سیر پندرہ چھٹانک، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے پونے دو سیر اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک سیر

[۱] ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳/۲۶۵

ساڑھے بارہ چھٹانک ذکر کیا۔ یہ تفصیلات جواہر الفقہ کی جلد اول اور امداد الفتاویٰ کی جلد دوم کے متعلقہ مقامات پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ [1]

جب نصف صاع کے وزن میں اختلاف ہے تو پورے صاع کے وزن میں بھی یقینی ہے۔ اِسی طرح دیگر مکاتبِ فکر کے علماء کے مابین بھی تحقیق کے نتیجہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود ہم نے ۱۹۷۶ء میں طبع ہونے والے اپنے ایک رسالہ میں جو فضائلِ رمضان المبارک کے بارے میں تھا اُس میں ایک صاع کا وزن دوسیر دس چھٹانک تین تولے اور چار ماشے یعنی تقریباً پونے تین سیر ہی ذکر کیا تھا اور یہی بات عام طور پر معروف ہے لیکن برِّ صغیر کے ایک محقّق عالم شیخ الحدیث جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ مولانا محمد علی صاحب جانبازؒ نے ''صاعِ شرعی کی تحقیق'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا اُس میں موصوف نے کتبِ حدیث وشروح اور فقہ حنفی کی کتب کے حوالہ سے صاعِ شرعی کا وزن طے کرنے کیلئے چار طریقے استعمال کیئے ہیں:

① پہلا طریقہ وزنِ صاع کی تعیین بذریعہ مثقال۔ ② دوسرا طریقہ بذریعہ درھم۔

③ تیسرا بذریعہ مُد۔ ④ چوتھا بذریعہ استار۔

انہوں نے چاروں ہی طریقوں سے ثابت کیا کہ صاعِ شرعی کے وزن میں لفظِ تقریباً کی ضرورت ہی نہیں رہتی بلکہ صاعِ حجازی یا مدنی پورے دوسیر چار چھٹانک کا اور صاعِ عراقی یا حجاجی پورے تین سیر اور چھ چھٹانک کا ہوتا ہے۔ یہ تحقیق وزن کے پرانے سیروں والے نظام کے مطابق ہے جبکہ موجودہ اعشاری نظام میں ایک کلوگرام تقریباً سترہ چھٹانک کے برابر ہے۔ [2]

اس طرح صاعِ حجازی وعراقی دونوں کا وزن آپ کے سامنے آ گیا ہے۔ آگے آپ کو اختیار ہے کہ صاعِ حجازی کو اختیار کرلیں جس سے نبی ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر آئمہ رحمۃ اللہ علیہم فطرانہ ادا کیا کرتے تھے یا صاعِ عراقی کو اپنالیں جس سے فطرانہ نکالنے کے جواز کے قائل

---

[1] جدید فقہی مسائل، ص ۱۲۲

[2] تحفۃ الأحوذی ۲۶۶/۳ تا ۲۶۷، ہفت روزہ الاسلام، لاہور، ج ۱۲ ش ۱، جون ۸۵ء

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔

نقد فطرانہ کی تعیین:

جو شخص غلّے کی شکل میں فطرانہ نکالنے کی بجائے اُس کی قیمت ادا کرنا چاہے تو غلّے کی جس قسم سے وہ فطرانہ ادا کرنا چاہے اُسکی فی کس مقدار تو آپ کے سامنے آ گئی اگر اکیلا ہے تو گندم چاول وغیرہ کی اس مقدار کی موجودہ قیمت لگا لے اور زیادہ افراد ہوں تو فی کس کے حساب سے سب کی مقدار جمع کر لے اور پھر اُس کی قیمت نکال دے۔

چند سال پہلے متحدہ عرب امارات کی وزارتِ اوقاف و امور اسلامیہ کے علماء نے نقدی کی شکل میں پندرہ درہم فی کس فطرانہ مقرر کیا تھا جو یقیناً اچھی قسم کی کھجور کی قیمت سے اخذ کیا گیا ہوگا اور امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک کھجور سے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس چیز سے فطرانہ نکالنا افضل ہے جو سب سے قیمتی ہو اسلیئے اِن تینوں آئمہ کرام رحمہم اللہ علیہم کی رائے کے پیشِ نظر تو یہی پندرہ درھم یا پندرہ ریال ہی مناسب ہیں۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک والوں کے نزدیک گندم سے فطرانہ نکالنا افضل ہے اور ویسے بھی ہماری عمومی غذاء گندم و چاول ہی ہوتی ہے لہٰذا ان کی قیمتوں کے لحاظ سے جتنے پیسے فی کس بنیں وہ بھی نکالے جاسکتے ہیں اور جائز ہیں بلکہ قطر کے شرعی کورٹس اور امورِ اسلامیہ کے رئیس اور معروف عالم شیخ عبداللہ بن زید آلِ محمود کی ''کتابُ الصیام وفضلُ شہر رمضان'' ہمارے سامنے ہے جسکے ص ۴۷ (طبع ۱۳۹۷ھ) پر موصوف نے نقدی کی شکل میں فی کس پانچ درھم فطرانہ بھی بالکل صحیح اور کافی لکھا ہے۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم پانچ درھم فی کس فطرانہ ہونا چاہیئے اور جو شخص صاحبِ حیثیت ہو وہ چاہے تو دس، بارہ اور پندرہ درھم بھی نکال سکتا ہے اور جو کوئی جتنا زیادہ نکالے گا اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب پائے گا اور پانچ درھم فی کس نکالنے والا بھی فطرانہ کی ادائیگی سے سبکدوش اور بری الذمہ ہو جائیگا۔ اور جو شخص خاص کسی چیز مثلاً گندم یا چاول کا تعیّن کر کے اسکی مطلوبہ مقدار کی حالیہ قیمت کا حساب کر کے پانچ یا پندرہ درھم سے کم

وبیش نکالے گا تو اسمیں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اِس امر میں کافی وسعت پائی جاتی ہے لیکن احتیاط اِسی میں ہے کہ کم ازکم پانچ درھم فی کس فطرانہ ادا کیا جائے۔اسی طرح ہی پاک و ہند اور دیگر مما لک کے لوگ ان اجناس کی مقامی قیمت اور مقامی کرنسی سے فطرانہ دینگے۔ یہ بات تو ہم عرض کر چکے ہیں کہ اکثر آئمہ وفقہاء کے نزدیک نقدی کی شکل میں فطرانہ ادا کرنا جائز ہی نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔اِسی سلسلہ میں برصغیر کے ایک جید عالم حضرت العلاّم حافظ عبداللہ محدّث روپڑی رحمہ اللہ سے بھی سوال کیا گیا کہ صدقۂ فطر میں نقد قیمت درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو آپ کے پاس اسکی دلیل کیا ہے؟

تو انہوں نے اپنے ہفت روزہ ''تنظیم اہلحدیث'' میں جو فتویٰ شائع فرمایا اُسکا خلاصہ یہ ہے فطرانہ میں قیمت دینے میں کوئی حرج نہیں اور استدلال کیلئے بخاری شریف، کتاب الزکوٰۃ کے ایک ترجمۃ الباب میں مذکور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اہلِ یمن کو یہ کہنا پیش کیا ہے:

(اِئْتُوْنِیْ بِعَرْضٍ ثِیَابٍ اَوْلَبِیْسٍ فِی الصَّدَقَةِ وَکَانَ الشَّعِیْرُ وَالذُّرَةُ اَهْوَنُ عَلَیْکُمْ وَخَیْرٌ لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِیْنَةِ) [1]

''میرے پاس جَو اور مکئی کی بجائے کپڑے کی چادریں یا لباس لاؤ یہ تمہارے لیئے آسان ہے اور مدینہ میں اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہی بہتر ہوگا۔''

اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ جیسے عظیم محدّث کا اِس سے استدلال کرنا اِس کو تقویت دیتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں مَصرف (یعنی فقراء ومساکین) کی حاجت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قیمت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ روایت اگرچہ زکوٰۃ کے بارے میں ہے لیکن جیسے زکوٰۃ میں اصل کی بجائے اشیائے ضرورت کی طرف عدول جائز ہے ایسے ہی صدقۂ فطر میں بھی جائز اور فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ [2]

---

[1] حوالہ سابقہ [2] فتاویٰ علماء حدیث ۷/۲۰۴_۲۰۵

علاّمہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جنس ہی دی جائے قیمت نہ دی جائے البتہ کسی عذر کے پیشِ نظر قیمت ادا کرسکتا ہے۔ [1]

فطرانہ کی ادائیگی کا وقت:

صدقۂ فطر کی ادائیگی کب کی جائے؟

اس سلسلہ میں بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((....وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُوَدَّیٰ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلٰی الصَّلٰوۃِ)) [2]

"(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کے بارے میں) حکم فرمایا کہ لوگوں کے نمازِ عید کی طرف نکلنے سے پہلے پہلے ادا کردیا جائے۔"

ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی میں ہے:

((مَنْ اَدَّا هَا قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فَهِیَ زَكٰوۃٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوۃِ فَهِیَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ)) [3]

"جس نے عید کی نماز سے قبل فطرانہ ادا کیا تو یہ قبول ہونے والی زکوٰۃ ہے اور جس نے یہ صدقہ نماز کے بعد ادا کیا تو وہ محض صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔"

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ فطرانہ نماز سے پہلے ہی ادا کرنا ضروری ہے اور آئمہ اربعہ سمیت جمہور کے نزدیک عید کے بعد فطرانہ ادا کرنا اگرچہ صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اور علاّمہ ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک فطرانہ عید سے قبل ادا کرنا واجب اور بعد میں ادا کرنا حرام ہے اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اِسی مسلک کی تائید کی ہے۔ [4]

---

[1] مرعاۃ شرح مشکوٰۃ ۳/۱۰۰
[2] متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۵۷۰
[3] حسنہ الالبانی فی الارواء ۳/۳۳۲
[4] الفتح الربانی ۹/۱۵۲، نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۴

ایک حدیث میں ہے:

((صَوْمُ شَھْرِ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلَا یُرْفَعُ اِلَّا بِزَکٰوۃِ الْفِطْرِ)) [1]

''ماہِ رمضان کا روزہ زمین وآسمان کے مابین اٹکا رہتا ہے اور صدقۂ فطر کے ساتھ اوپر اٹھایا (قبول کیا) جاتا ہے۔''

لہٰذا ہر آدمی کو شش کرنا چاہیئے کہ نہ صرف عید سے قبل بلکہ عید سے دو ایک دن قبل ہی ادا کر دے کیونکہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمٍ أَوْیَوْمَیْنِ)) [2]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید الفطر سے ایک یا دو دن قبل ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔''

رئیس المحدّثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عید سے ایک دو دن قبل صدقہ جمع کرنا جائز ہے فقراء کو دینا جائز نہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید سے دو ایک دن پہلے صدقہ دے دیا کرتے تھے اسکے بارے میں انکا کہنا ہے کہ لوگ پیشگی صدقہ جمع کروادیا کرتے تھے، فقراء کو نہیں دیتے تھے۔ ایسا ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مؤطا امام مالک والی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ [3]

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدقۂ فطر اجتماعی طور پر ادا کر کے ایک جگہ جمع کرنا ہی مسنون طریقہ ہے اور زیادہ مفیدِ مطلب بھی ہے تا کہ جمع شدہ کُل فطرانے سے مستحقین کو انکی حسبِ ضرورت دیا جاسکے اور انفرادی طور پر صدقہ نکالنے میں اس بات کا احتمال وامکان بھی رہتا

---

[1] حدیث غریب، جیّد الاسناد، الترغیب والترھیب ۱۵۲/۲

[2] الارواء الغلیل ۳۳۴/۳

[3] تحفۃ الاحوذی ۳۵۲/۳، ارواء الغلیل ۳۳۵/۳

ہے کہ کسی محتاج کے پاس تو بہت سارا صدقہ جمع ہو جائے اور کوئی بالکل ہی محروم رہ جائے۔

صدقۂ فطر و زکوٰۃ کے مصارف و مقامات:

صدقۂ فطر کے مصارف بھی وہی آٹھ ہیں جنکا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے جو مصارفِ زکوٰۃ ہیں اور سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں مذکور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

(سورة التوبه: ٦٠)

”صدقات (زکوٰۃ و خیرات) تو فقراء و مساکین اور کارکنانِ صدقات کا حق ہیں اور ان لوگوں کا جنکی تالیفِ قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور اللہ کی راہ اور مسافروں (کی مدد میں) بھی (یہ مال خرچ کرنا چاہیئے)۔“

یہ مصارفِ زکوٰۃ آٹھ (۸) ہیں:

① فقیر:

② مسکین: یہ دونوں باہم قریب قریب ہی ہیں، حتیٰ کہ ان کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ تاہم دونوں میں یہ بات قطعی ہے کہ جو شخص حاجت مند ہو اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے وسائل سے محروم ہو، اسے فقیر و مسکین کہا جاتا ہے۔ فقیر سے مسکین قدرے بہتر حیثیت رکھنے والا ہوتا ہے اور وہ دستِ سوال بھی دراز نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی شکل ایسی بناتا ہے کہ لوگ اسے کچھ دیں جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

③ عاملین: حکومت کے وہ اہل کار جو زکوٰۃ جمع کرنے، اسے تقسیم کرنے اور اسکا حساب کتاب رکھنے پر مامور ہوتے ہیں۔ ان کی اجرت یا تنخواہیں مالِ زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہیں اور وہ انکے

لیئے حلال ہے، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ نبی ﷺ نے اپنی ذات اور اپنے خاندان (بنی ہاشم) پر اس مد میں بھی زکوٰۃ منع قرار دی ہے۔

④ مؤلفۃ القلوب: اس مد میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں:

{1} وہ کافر جو اسلام کی طرف کچھ مائل ہو، اور اسکی مدد کرنے سے اسکے مسلمان ہو جانے کی توقع ہو۔

{2} وہ نو مسلم افراد جنہیں ایسی امداد اسلام پر مضبوط کر دینے کا باعث بن سکتی ہو۔

{3} وہ افراد جنہیں امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے، یوں مسلمانوں کو کفّار سے تحفّظ حاصل ہوگا.

☆ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہوگیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں، حالات کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے۔

⑤ گردنیں آزاد کرانا: غلام آزاد کرانے کیلیئے زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے، وہ مکاتب ہو یا غیر مکاتب۔ امام شوکانیؒ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں۔

⑥ غارمین: {1} وہ مقروض جو اہل وعیال کے نان ونفقہ کے سلسلہ میں زیر بار ہو گئے ہوں اور قرضہ ادا کرنے کیلیئے نہ نقد رقم ہو، نہ کوئی چیز کہ جسے بیچ کر قرض ادا کر سکیں۔

{2} دوسرے وہ ذمہ دار اصحابِ ضمانت ہیں کہ کسی کی ضمانت دی اور پھر اسکی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے۔

{3} تیسرے وہ لوگ جو کسی فصل کے تباہ ہو جانے یا کاروبار کے خسارہ کی وجہ سے مقروض ہو گئے۔

ان سب کی امداد بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

⑦ فی سبیل اللہ: جہاد ومجاہدین (نان ونفقہ واسلحہ وغیرہ) پر خرچ کرنا۔ چاہے مجاہدین مالدار ہی

کیوں نہ ہوں۔ بعض احادیث کی رو سے حج وعمرہ بھی ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک دعوت وتبلیغِ دین اور نشرواشاعتِ اسلام کے تمام شعبے بھی اسمیں شامل ہیں۔ کیونکہ اس سے بھی جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور صحیح مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد کی صدقۂ جاریہ والی معروف حدیث میں مذکور ''علمِ نافع'' سے استشہاد کرتے ہوئے سعودی دارالافتاء نے بھی دینی کتب کی مالِ زکوٰۃ سے طباعت وتقسیم کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔ [1]

⑧ ابن السبیل: اس سے مراد وہ مسافر ہے جو دورانِ سفر نقصان ہو جانے یا جیب کٹ جانے وغیرہ سے مستحقِ امداد ہو گیا ہو۔ چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحبِ حیثیت ہی کیوں نہ ہو۔ زکوٰۃ کی رقم سے اسکی مدد کی جاسکتی ہے۔ [2]

البتہ فطرانہ مقامی فقراء ومساکین کو دینا زیادہ افضل ہے۔ علّامہ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ صرف فقرا ومساکین کو ہی فطرانہ دیتے تھے۔ آٹھوں مصارف پر تھوڑا کر کے تقسیم نہیں کرتے تھے۔ [3]

کیونکہ فطرانہ کی حکمت اور غرض وغایت حدیث میں ''طُعمۃً لّلمساکین'' آئی ہے کہ فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں کو عید کے دن بافراغت کھانا (اور کپڑا) مل جائے۔ اور اس حکمت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ہمارے اُن لوگوں کا عمل سراسر غیر مفید ثابت ہوتا ہے جو نمازِ عید کیلئے نکلتے ہوئے راستے میں پیشہ ور قسم کے گداگر بچوں اور بچیوں وغیرہ کے ہاتھوں میں فطرانہ تھماتے جاتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو واقعی مستحق مان لیا جائے تو بتائیں کہ اس فطرانے کو عید کے دن وہ کیسے استعمال میں لائیں گے۔ اور اگر یہی فطرانہ عید سے دو ایک دن قبل یا کم از کم چاند رات کو

[1] فتویٰ نمبر ۲۰۰۶۲ بتاریخ ۱۲/۳/۱۴۱۸ھ

[2] مختصراً از تفسیر احسن البیان، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر سورۂ توبہ: آیت ۶۰

[3] زاد المعاد ۱/۱۵۱

مستحق تک پہنچا دیا جائے تو نقدی کی شکل میں وہ اشیاءِ صَرف خرید سکتا ہے اور غلّے کی شکل میں بھی اُسے بیچ کر وہ اپنی ضرورت کی اشیاء خورد و نوش اور کپڑا خرید سکتا ہے اور اسطرح صدقے کی اصل حکمت بھی سامنے آجاتی ہے۔

اجتماعی طریقہ:

اس سے بھی بہتر طریقہ فطرانہ کی اجتماعی ادائیگی ہے اور ایک جگہ جمع شُدہ غلّے اور نقدی کو مسؤلین پہلے تو ان مستحقین میں تقسیم کر دیں جو مقامی ہیں اور اگر مقامی فقراء سے کچھ بچ جائے تو وہ دیگر مصارف کیلئے بھی بھیجا جا سکے جیسے غریب ممالک کے دینی مدارس، غریب افراد اور مجاہدین فلسطین یا دیگر مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں کیونکہ ضرورت کی شکل میں مقامی فقراء کو صدقۂ فطر و زکوٰۃ دینے کی افضلیّت مسلّم ہونے کے ساتھ ساتھ تمام آئمہ و فقہاء اور اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر اہلِ بلد اموالِ زکوٰۃ و صدقات سے مستغنی ہو جائیں تو پھر دوسرے علاقوں یا ملکوں میں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ ﴿۱﴾

اجتماعی شکل میں زکوٰۃ و صدقات ادا کر دینے پر، ادا کرنے والے فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو گئے، اب اُن مسؤلین کی ذمہ داری ہے کہ حقیقی مستحق افراد کو تلاش کر کے وہ اموال صَرف کر دیں اور انفرادی ادائیگی کی شکل میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ فطرانہ کی ادائیگی میں فقراء و مساکین کو تلاش کرے اور مستحق لوگوں تک پہنچائے، محض آسانی کی خاطر عادی اور پیشہ ور قسم کے گداگروں کو صدقہ تھما دینا مناسب نہیں کیونکہ دانہ گلِ گلزار تبھی بنتا ہے جب اُسے خاک میں پھینکا جائے اور اگر پتھریلی و بنجر زمین میں ڈال کر کونپلوں کا انتظار کیا جائے تو یہ ایک حماقت تو ہو سکتی ہے دانشمندی نہیں۔

﴿۱﴾ للتفصیل فقہ السنۃ ۱/۴۰۸ تا ۴۰۹، الفتح الربانی ۹/۴۶ تا ۴۷

مسنون ومستحب یا نفلی روزے

رمضان المبارک کے فرضی روزوں کے علاوہ بھی سال کے مختلف اوقات میں کچھ روزے ثابت ہیں جن میں بعض لوگ کم علمی کی بناء پر غلوّ فی الدین کا شکار ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ایام کے روزے رکھنا بھی شروع ہو جاتے ہیں جنکے روزے صریحاً منع اور حرام قرار دیئے گیۓ ہیں لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ غیر رمضان کے روزوں کے بارے میں بھی وضاحت کر دی جائے۔

① شش عیدی روزے (سِتّ شوال)

نبی ﷺ سے جن نفلی روزوں کا ثبوت ملتا ہے اُن میں سے ایک تو ماہِ شوال کے چھ روزے ہیں جو عموماً عید الفطر کے اگلے دن سے شروع کر کے مسلسل یا الگ الگ کر کے پورے ماہِ شوال میں رکھ لینا دونوں طرح ہی جائز ہے، صرف افضلیت میں آئمہ کا معمولی اختلافِ رائے ہے۔ [1]

شوال کے ان چھ روزوں کی مشروعیت وثواب کے بارے میں صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) [2]

"جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اسکے بعد شوال کے مہینہ میں بھی چھ روزے رکھے تو اُس نے گویا ہمیشہ (یعنی سال بھر کے) روزے رکھے۔"

ان چھ روزوں کے رکھنے سے سال بھر کے روزوں کا ثواب کس طرح بنتا ہے؟ اسکی

---

[1] الفتح الربانی ۱۰/ ۲۱۷۔۲۱۸، نیل الاوطار ۲/ ۴/ ۲۳۸

[2] حوالہ سابقہ ومشکوٰۃ ۱/ ۶۳۵

صراحت بھی خود نسائی وابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ فَشَهْرٌ بِعَشَرَةِ اَشْهُرٍ))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اُسے ایک ماہ کے عوض دس ماہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔''

کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾

''جو شخص ایک نیکی کرے اُسے دس گنا ثواب دیا جاتا ہے''۔

((وَصِيَامُ سِتَّةِ اَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ))

''عیدالفطر کے بعد چھ دنوں کے روزے۔''

یہ چھ X دس یعنی ساٹھ دنوں یا دوماہ کے روزے ہوگئے، جبکہ دس ماہ کے روزوں کا ثواب ماہِ رمضان کی وجہ سے مل گیا۔

(فَذَالِکَ تَمَامُ صِيَامِ السَّنَةِ) [1]

''تو اسطرح گویا اس نے پورے سال کے روزے ہی رکھ لیئے۔''

۲ عشرۂ ذوالحج اور یوم عرفہ کے روزے:

ایسے ہی ماہِ ذوالحج کے ابتدائی دس دنوں کے روزوں کا ثبوت بھی کتبِ حدیث میں سے ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور ہے چنانچہ نبی ﷺ کی کسی روزۂ محترمہ سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ تِسْعَ ذِی الْحِجَّةِ)) [2]

''نبی ﷺ ذوالحج کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھا کرتے تھے۔''

جبکہ نسائی شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے عشرۂ ذوالحجہ کے پہلے نو

[1] الفتح الربانی ایضاً

[2] وقال البناء: وسندہ جیّد، الفتح ۱۰/۱۵۸

روزے کبھی ترک نہ کرنے کی روایت بھی ہے۔ [۱]

خاص یومِ عرفہ (یعنی نو ذوالحج) کے روزے کی تو بہت ہی فضیلت ہے چنانچہ مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَہٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَہٗ)) [۲]

''عرفہ (یعنی ۹ ذوالحج) کا روزہ، مجھے اللہ سے امید ہے کہ دوسالوں کے گناہوں کو مٹادیتا ہے، ایک سابقہ سال اور ایک آئندہ سال۔''

لیکن یاد رہے کہ اس یومِ عرفہ کا روزہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو حج نہ کررہے ہوں تاہم عرفات میں موجود حاجیوں کو اس دن روزہ رکھنا منع ہے جس پر تمام آئمہ وفقہاء کا اجماع ہے اور حدیث سے ممانعت ثابت ہے۔ [۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان روزوں کی نفی کرنا مسلم شریف میں مذکور ہے۔ [۴]

مگر ہوسکتا ہے کہ انہیں کسی وجہ سے علم نہ ہوا ہو جبکہ دوسری زوجۂ محترمہ سے ثابت ہیں اور عدمِ علم عدمِ وجود پر دلالت بھی نہیں کرتا۔ [۵]

یومِ عرفہ سے مراد؟:

جو لوگ خلیجی ممالک میں رہتے ہیں انکی تقویم وتاریخ سعودی عرب کے عین مطابق ہوتی ہے انکے لیئے تو یومِ عرفہ وہی ہوگا جس دن حجاج عرفات میں ہوتے ہیں رہا مسئلہ یہ کہ جن ممالک کی عربی تاریخ سعودیہ سے ایک یا دو دن بعد یا پہلے ہوتی ہے انکے یہاں ''یومِ عرفہ'' کس دن کو مانا جائے گا؟

---

[۱] مشکوٰۃ ۱/۶۳۹ وقد ضعّفہٗ الالبانی فی ارواء الغلیل ۴/۱۱۱

[۲] مشکوٰۃ ۱/۶۳۵

[۳] دیکھیئے: الفتح الربانی ۱۰/۲۳۱ تا ۲۳۷

[۴] مشکوٰۃ ۱/۶۳۴

[۵] للتفصیل ایضاً الفتح

یہ بات قابلِ تحقیق ہے، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ جس ملک میں جس دن ذوالحج کی ۹ تاریخ ہو وہاں کے حساب سے وہی ''یومِ عرفہ'' ہوگا جیسے روزہ وعید وغیرہ میں ہوتا ہے جبکہ اس سلسلہ میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ''یومِ عرفہ'' کا روزہ اسی دن رکھنا چاہیئے جس دن حجاج عرفات میں ہوتے ہیں۔ ہمارے بعض فاضل دوستوں اور اہلِ علم نے اسی ثانی الذکر رائے کو اختیار کیا ہے۔ [۱] اگرچہ اس رائے پر بھی کئی اشکالات وارد ہوتے ہیں تاہم جسے اطمئنان ہو وہ اسے اپنا سکتا ہے۔ وقوفِ عرفات کا آجکل بآسانی پتہ چل جاتا ہے کیونکہ ریڈیو، ٹی وی جیسے ذرائع ابلاغ عام ہیں۔

③ عاشوراءِ محرم کے روزے:

اِسی طرح ماہِ محرم اور خصوصاً یومِ عاشوراء اور اُس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی مسنون ہے چنانچہ مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَفْضَلُ الصِّیَامَ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ)) [۲]

''رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ یومِ عاشوراء کا روزہ بڑی کوشش سے رکھا کرتے تھے۔ [۳]

مسلم شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ)) [۴]

''اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔''

---

[۱] دیکھیئے: ہفت روزہ اہلحدیث لاہور، جلد ۲۵ شمارہ ۱۸، ۱۳ مئی ۱۹۹۴ء یکم ذوالحج ۱۴۱۴ھ ابو محمد حافظ عبدالستار الحماد

[۲] مشکوٰۃ المصابیح ۱/۶۳۴ [۳] ایضاً [۴] ایضاً

یہ دوسرا روزہ اسلیئے تھا تاکہ یہودیوں اور نصاریٰ سے مشابہت نہ رہے کیونکہ وہ بھی دس تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (۱)

صرف یومِ عاشوراء کے روزے کے بارے میں مسلم، ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنِّیۡ اَحۡتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنۡ یُّکَفِّرَ السَّنَۃَ الَّتِیۡ بَعۡدَہٗ)) (۲)

''مجھے اللہ تعالیٰ سے توقع ہے کہ یومِ عاشوراء کا روزہ آئندہ پورے ایک سال کے گناہوں کا کفّارہ بن جاتا ہے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((وَصَوۡمُ یَوۡمِ عَاشُوۡرَاء یُکَفِّرُ سَنَۃً مَاضِیَۃً)) (۳)

''یومِ عاشوراء کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔''

بہرحال یومِ عاشوراء کا روزہ بڑا باعثِ اجر ہے اور اسکے ساتھ ۹ تاریخ کا روزہ بھی ضرور ہی ملا لینا چاہیئے۔

۴ شعبان کے روزے:

نبی ﷺ ماہِ شعبان کے روزے بھی بکثرت رکھا کرتے تھے چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((مَارَاَیۡتُہٗ فِیۡ شَھۡرٍ اَکۡثَرَ مِنۡہُ صِیَاماً فِیۡ شَعۡبَانَ)) (۴)

''میں نے نبی ﷺ کو ماہِ شعبان سے زیادہ کسی مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔''

---

(۱) ایضاً
(۲) مشکوٰۃ ۱/۶۳۵، ارواء الغلیل ۴/۱۰۸
(۳) الجماعۃ الا البخاری، ارواء الغلیل ۴/۱۱۱
(۴) متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱/۶۳۳

لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو شخص صرف رمضان المبارک کا استقبال کرنے کی غرض سے اور بقولِ بعض سلامی کے ایک یا دو روزے آخر شعبان میں رکھے تو یہ حرام اور گناہ کا باعث ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

⑤ ایامِ بیض کے روزے:

ہر ماہ کے تین روزے رکھنا بھی سنّت وثواب ہے اور یہ تین روزے کب رکھے جائیں؟ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو مروی ہے:

((لَمْ یَکُنْ یُبَالِیْ مِنْ أَیِّ اَیَّامِ الشَّھْرِ یَصُوْمُ)) (۲)

”نبی ﷺ کسی بھی تین دنوں میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔“

جبکہ ترمذی ونسائی شریف میں نبی ﷺ کا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ہر ماہ کے تین روزے رکھنے کا حکم دینا اور (چاند کی) تیرہ، چودہ، پندرہ (۱۳، ۱۴، ۱۵) تاریخ کے روزوں کی تعیین کرنا بھی ثابت ہے۔ (۳)

نسائی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اِن تین دنوں کو ”ایّام بیض“ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان دنوں کے روزے سفر وحضر میں رکھا کرتے تھے۔ (۴)

مسلم شریف میں ہر ماہ کے تین روزوں کی فضیلت یوں آئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ فَھٰذَا صِیَامُ الدَّھْرِ کُلِّهٖ)) (۵)

”ہر ماہ کے تین روزے رمضان المبارک کے روزوں سے مل کر اس طرح ہو جاتے ہیں کہ اُس شخص نے ہمیشہ کا روزہ رکھا۔“

---

(۱) نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۰ تا ۲۶۱

(۲) مسلم، مشکوٰۃ ۶۳۵/۱۵

(۳) مشکوٰۃ ۶۳۷/۱

(۴) مشکوٰۃ ۶۳۹/۱

(۵) مسلم، مشکوٰۃ ۶۳۵/۱، ان روزوں کی تعیین کے بارے میں دس مسلک ہیں، فتح الباری، نیل الاوطار

⑥ پیرو جمعرات کے روزے:

یہ مذکورہ سابقہ تو سالانہ اور ماہانہ نفلی روزے ہیں جبکہ ہمت والوں کیلئے تو ہر ہفتے میں بھی پیر اور جمعرات دودن کے روزے مسنون اور کارِثواب ہیں اور نبی ﷺ کا اِن دودنوں کا روزہ رکھنا ثابت ہے چنانچہ ترمذی اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ)) [1]

"نبی ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔"

ترمذی شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ)) [2]

"پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال اللہ کے سامنے پیش کیۓ جاتے ہیں اور مجھے یہ بات محبوب لگتی ہے کہ میرے عمل جب اللہ کے سامنے پیش کیۓ جائیں تو اُس وقت میں روزے سے ہوں۔"

مسلم شریف میں ہے کہ نبوی ﷺ سے جب پیر کے روزے کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ)) [3]

"اس دن مَیں پیدا ہوا اور اُسی دن مجھ پر وحی کا آغاز ہوا تھا۔"

لہٰذا جسے توفیق ہو وہ ہر ہفتے میں پیر (سوموار) اور جمعرات کے روزے رکھے۔ یہ مسنون وثابت اور کارِثواب ہیں:

---

① مشکوٰۃ ۱/۶۳۷ وصححہ الالبانی، ارواء الغلیل ۴/۱۰۲

② ایضاً

③ مسلم، مشکوٰۃ ۱/۶۳۵

⑦ صومِ داؤدی علیہ السلام:

جسے توفیق ہو وہ ہر دوسرے دن کا روزہ بھی رکھ سکتا ہے یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ، صِيَامَ يَوْمٍ وَاِفْطَارَ يَوْمٍ)) [1]

"روزوں میں سے اَفضل روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے رکھا کرو، ایک دن روزہ اور ایک دن چھٹی۔"

مسلم شریف میں اس سے آگے بڑھنے اور بلا ناغہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے بارے میں فرمایا:

((لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْقَالَ :لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ)) [2]

"ایسے شخص نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا، یعنی اُسے کوئی ثواب نہیں ہوگا۔"

یہ نتیجہ ہے سنّت و حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز کا۔

⑧ اشہرِ حُرم کے روزے:

اشہرِ حُرم (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کے روزے رکھنے کی مشروعیت بھی ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں ثابت ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باہلی صحابی کو ماہِ رمضان اور ہر ماہ کے تین روزے رکھنے کے علاوہ بھی طاقت رکھنے کے اظہار پر فرمایا تھا:

((...وَصُمْ اَشْهُرِ الْحُرُمِ)) [3]

"..... اور حرمت والے مہینوں کے روزے بھی رکھ لو۔"

اور ان مہینوں میں بھی کچھ روزے اور کچھ دن افطار پر عمل ضروری ہے۔ [4]

---

[1] متفق علیہ مشکوٰۃ ۱/۶۳۶ [2] مشکوٰۃ ۱/۶۳۴

[3] المنتقی مع النیل ۲/۴/۲۴۷ [4] نیل الاوطار ۲/۴/۲۵۵

ہفتہ واتوار کے روزے:

ہفتہ وتوار چونکہ یہود ونصاریٰ کے خوشی کے دن ہیں انکی مخالفت میں ان دنوں کے روزوں کے بارے میں بھی نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور مستدرک حاکم (وصحح، ھووابن خذیمہ) وغیرہ میں حدیث موجود ہے۔ [۱] جس میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دنوں کے روزے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((وَكَانَ يَقُوْلُ: اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَهُمْ)) [۲]

''نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مشرکین کیلئے عید وخوشی کے دن ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ انکی مخالفت کروں۔''

جب سالانہ، ماہانہ، ہفتہ وار اور صوم داؤدی، اتنے زیادہ روزے مسنون وثابت ہیں تو انہی میں برکت ہے انہیں پر اکتفاء کرنا چاہیئے اور شبِ معراج وشبِ برات وغیرہ کے روزے نہیں رکھنے چاہئیں کیونکہ وہ نبی ﷺ اور خلفاء وصحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔

نفلی روزہ توڑنا:

جمہور اہلِ علم کے نزدیک نفلی روزہ رکھا ہوا ہو اور کوئی مسلمان بھائی کھانے کی دعوت دے تو نفلی روزہ درمیان میں ہی افطار کرسکتا ہے جیسا کہ متعدد متکلّم فیہ روایات سے پتہ چلتا ہے اور اُس روزے کی قضاء کرنا چاہے تو کرلے نہ کرے تو بھی گناہ نہیں۔ [۳] اس موضوع کی تفصیل امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں بیان فرمادی ہے۔

---

[۱] الفتح الربانی ۱۰/۲۲۰ تا ۲۲۱

[۲] نیل الاوطار ۲/۴/۲۵۲

[۳] للتفصیل ،نیل الاوطار ۲/۴/۲۵۷ تا ۲۵۸

ممنوع دنوں کے روزے اور ممنوع انداز

بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔اور وہ ایام و انداز یہ ہیں:

① عیدین کے روزے:

نبی ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

((اَنَّہٗ نَھٰی عَنْ صَوْمِ یَوْمَیْنِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَیَوْمِ النَّحْرِ)) [1]

”آپ ﷺ نے دو دنوں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔“

مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((لَا یَصِحُّ الصِّیَامُ فِیْ یَوْمَیْنِ)) [2]

”ان دو دنوں کا روزہ صحیح نہیں۔“

صحیح بخاری و مسلم میں اِسی سے ملتی جلتی روایات حضرت عمر فاروق، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم شریف کی شرح میں اس بات پر تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ ان دونوں دنوں کا روزہ رکھنا حرام ہے چاہے وہ کفارے کا روزہ ہو یا نذر کا اور چاہے وہ کوئی نفلی روزہ ہی کیوں نہ ہو۔ [3]

② ایامِ تشریق کے روزے:

ایسے ہی ایامِ تشریق یعنی عید الاضحیٰ یا عیدِ قربان کے بعد کے تین دنوں ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحج

---

[1] متفق علیہ، نیل الاوطار ۲/۴/۲۶۱

[2] نیل الاوطار، ۲/۴/۲۶۲ [3] نیل الاوطار، ۲/۴/۲۶۲

کا روزہ رکھنا بھی حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم اور مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت کعب بن مالک اور اوس بن حدثان رضی اللہ عنہما کو ایامِ تشریق میں یہ منادی کرنے کیلئے بھیجا:

((اَنَّہٗ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَاَیَّامُ مِنیٰ اَیَّامُ اَکْلٍ وَشُرْبٍ)) [1]

''مؤمن کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا اور ایامِ تشریق یا ایامِ منیٰ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔''

اس اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث کے پیشِ نظر گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحج کے دنوں کا روزہ حرام قرار دیا گیا ہے۔

البتہ صرف ان لوگوں کو ان دنوں کا روزہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جو حجِ تمتّع کر رہے ہوں اور ان کے پاس قربانی نہ ہو تو وہ ان دنوں کا روزہ رکھ سکتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

((لَمْ یُرَخَّصْ فِی اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ اَنْ یُّصَمْنَ اِلَّا لِمَنْ لَّمْ یَجِدِ الْھَدْیَ)) [2]

''ایامِ تشریق کا روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی سوائے اسکے جسکے پاس قربانی نہ ہو۔''

خود قرآن کریم، سورۂ بقرہ آیت: ۱۹۶ میں بھی قربانی نہ پانے والے متمتّع کیلئے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَۃٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾

''اگر قربانی میسر نہ ہو تو ایامِ حج میں تین روزے رکھ لے اور سات گھر آ کر۔''

اِس ارشاد میں اگرچہ مطلق ایامِ حج میں سے تین دن روزے رکھنے کی اجازت ہے جبکہ بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے اسکے لیۓ ایامِ تشریق کے روزوں کی اجازت کا پتہ بھی چلتا

---

[1] نیل الاوطار ایضاً [2] حوالہ سابقہ

ہے۔اور قربانی نہ پانے والے حاجی کے سواء باقی سب کیلیۓ اِن ایامِ تشریق کے روزے رکھنا منع ہے۔ [1]

③ روزوں میں وصال:

اِسی طرح روزوں میں وصال کرنا بھی منع ہے اور وصال سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس طرح دن رات مسلسل روزے کی حالت میں ہی رہے کہ درمیان میں نہ سحری کھائے اور نہ افطاری کرے۔آج اسطرح کے روزے رکھنا تو غیر یقینی سا امر ہے اور ایسا آدمی شائد ڈھونڈ نے سے بھی نہ ملے مگر پھر بھی شریعت کے احکام سدا کیلیۓ اور ہر ملک وقوم کیلیۓ ہیں اور صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ خود نبی ﷺ بعض اوقات وصال فرمایا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کو اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ، ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اور بخاری وابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں نبی ﷺ نے روزوں میں وصال کرنے سے منع فرمایا ہے۔اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ تو وصال فرماتے ہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیُسْقِیْنِیْ فَاکْلِفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِیْقُوْنَ)) [2]

''میں اسطرح رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے پس تم اتنا ہی کام کرو جسکی تم طاقت رکھتے ہو۔''

ان احادیث کی بناء پر جمہور اہلِ علم نے وصال کو حرام قرار دیا ہے۔ [3]

بعض آئمہ نے وصال کو حرام نہیں مکروہ قرار دیا ہے بہر حال یہ جائز و مستحب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے۔

---

[1] للتفصیل نیل الاوطار ایضاً والفتح الربانی ۱۰/۱۳۸ تا ۱۴۴

[2] المنتقی ۲/۴/۲۱۹ [3] التفصیل فی نیل الاوطار ۲/۴/۲۱۹ تا ۲۲۱

④ عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ:

عورتوں کیلئے اپنے شوہر کی موجودگی میں اسکی اجازت ورضامندی کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے چنانچہ بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا یَحِلُّ لِلْمَرْاَۃِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ)) [۱]

''کسی عورت کیلئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں اسکی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے۔''

ابوداؤد کی روایت میں ((غَیْرَ رَمَضَانَ)) کے الفاظ بھی ہیں جن سے اس بات کی صراحت بھی ہوجاتی ہے کہ رمضان المبارک کے فرضی روزے رکھنے کیلئے شوہر کی اجازت طلب کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ فرض ہیں اور عورت کیلئے بغیر اجازت نفلی روزے رکھنے کے حرام ہونے پر امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور کا اتفاق ہے اور احناف کے نزدیک یہ حرام نہیں مکروہ ہے۔ [۲]

مکروہ روزے:

یہ تو اُن روزوں کی تفصیل تھی جو جمہور اہلِ علم کے نزدیک حرام ہیں اور بعض دنوں کا روزہ رکھنا مکروہ ہے مثلاً:

① صرف جمعہ کا روزہ:

ہفتہ بھر میں سے صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور بخاری ومسلم کی متعدد احادیث سے اسکا پتہ چلتا ہے چنانچہ محمد بن عبادہ بن جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

((أَنَھَی النَّبِیُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ؟ قَالَ: نَعَمْ)) [۳]

---

[۱] البخاری واللفظ لہ ومسلم، ابوداؤد والترمذی وغیرہ، الفتح الربانی ۱۰/۱۶۲

[۲] الفتح الربانی ۱۰/۱۶۳ والفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۲۲

[۳] متفق علیہ، نیل الاوطار ۲/۴/۲۴۹

''کیا نبی ﷺ نے صرف جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں۔''

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((اَنْ یُّفْرَدَ بِصَوْمٍ))

''ہفتہ بھر میں سے صرف جمعہ کو روزہ کیلئے خاص کرنا (بھی ممنوع ہے)۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ساتھ ہی جمعرات یا ہفتہ کا روزہ بھی رکھے تو جائز ہے اور بخاری و مسلم شریف میں اسکی صراحت بھی موجود ہے۔ [1]

② صرف ہفتہ کا روزہ:

ایسے ہی صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا بھی امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا تَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ اِلَّافِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْکُمْ)) [2]

''ہفتہ کے دن کا روزہ نہ رکھو سوائے اسکے کہ وہ فرض ہو۔''

اگر اسکے ساتھ جمعہ یا اتوار کا روزہ بھی رکھ لیا جائے تو مکروہ نہیں اور نبی ﷺ سے جمعہ اور ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنے کی جو روایات ملتی ہیں انکی توجیہہ و تعلیل بھی اہلِ علم نے یہی کی کہ ہے کہ آپ ﷺ اُس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ [3]

③ ہمیشہ کا روزہ:

وہ شخص جو بلا ناغہ سال بھر روزے ہی رکھتا جائے تو اسکے بارے میں صحیح مسلم شریف

---

[1] متفق علیہ نیل الاوطار ۲/۴/۲۴۹ تا ۲۵۱، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۵۸، بذل المجہود ۲۳/۶/۱۶۹

[2] نیل الاوطار ۲/۴/۲۲۱ وصححہ الالبانی فی الارواء ۴/۱۱۸، الفتح الربانی ۱۰/۱۴۷ تا ۱۵۱

[3] البدر المنیر بحوالہ الفتح الربانی ۱۰/۲۲۱

میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ (اَوْقَالَ:) لَمْ یَصُمْ وَلَمْ یُفْطِرْ)) (۱)

”ایسے شخص نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔“

شارح بخاری شریف حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے امام شوکانی نے ان الفاظ کا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ثواب نہ ہوگا یعنی اسکا روزہ رکھنا نہ رکھنے کے برابر ہے۔ (۲)

④ شک کا روزہ:

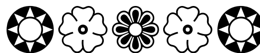
ایسے ہی رمضان سے ایک دن پہلے محض اس بناء پر روزہ رکھنا کہ شاید چاند ہوگیا ہو مگر کسی وجہ سے نظر نہیں آسکا۔ یہ شک کا روزہ بھی منع اور نبیٔ اکرم ﷺ کی نافرمانی ہے۔

زکوٰۃِ اموال:

یہاں ہم ایک اس بات کی طرف بھی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اپنے تمام اموال وزیورات کا حساب لگا کر اس مبارک مہینہ میں ہی انکی زکوٰۃ بھی نکال دینی چاہیئے۔

اسطرح فریضہ سے سبکدوشی کے ساتھ ساتھ برکاتِ رمضان کی وجہ سے ثواب میں بھی کئی گنا اضافہ ہوگا۔ اِنْ شآءَ اللہ

اللہ تعالیٰ تمام روزہ داروں کے صیام وقیام کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ سال کے دوران مسنون ومشروع اور مستحب روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور جن دنوں یا جس انداز سے روزے رکھنا حرام اور ممنوع ومکروہ ہے ان سے محفوظ رکھے۔ آمین



(۱) مشکوٰۃ ۱/۶۳۴ (۲) نیل الاوطار ۲/۴/۲۵۵

مسائل واحکامِ عیدین

"مسائل واحکامِ قربانی وعیدین" کے عنوان سے ہماری کتاب پاکستان (مکتبہ کتاب وسنّت، ریحان چیمہ) اور انڈیا (مکتبہ ترجمان، دہلی) سے شائع ہوچکی ہے جس میں ان مسائل کی تفصیل ذکر کردی گئی ہے لہٰذا تفصیل کے طالب اسکا مطالعہ کریں البتہ یہاں ہم صرف عطرِ گل کے طور پر خلاصہ ذکر کررہے ہیں تاکہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَایُتْرَکُ جُلُّهٗ کے مصداق تشنگی نہ رہے:

عیدین کے مسائل:

① جمہور علماء امت کے نزدیک نمازِ عید سنتِ مؤکّدہ ہے۔ البتہ بعض نے فرض کفایہ اور بعض نے واجب بھی کہا ہے۔ [1]

② یومِ عید سے پہلی رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں، البتہ بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ملتے ہیں۔ [2]

③ عید کے دن غسل کرنے کے مستحب ہونے کے بارے میں بھی بعض آثار ہی ملتے ہیں۔ [3]

④ عیدین اور جمعہ کے دن خوبصورت لباس پہننا اور خوشبو لگانا چاہیئے۔ [4]

⑤ عیدالفطر کیلئے کچھ کھاکر (صحیح بخاری) اور عیدالاضحیٰ سے آکر کھانا چاہیئے۔ [5]
عیدالاضحیٰ کی اس سنت کو نصف دن کا روزہ کہنا جہالت ہے۔

⑥ عیدین کیلئے مسنون وافضل یہ ہے کہ شہر سے باہر جاکر پڑھیں البتہ بعض ضعیف روایات سے (بوقتِ ضرورت) مسجد میں پڑھنے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ [6]

---

[1] المجموع للنووی، الفقہ علی المذھب الاربعہ، المغنی، الفتح الربانی، تمام المنّۃ، الروضۃ الندیہ
[2] قیام اللیل مروزی
[3] مسند احمد، مؤطا مالک
[3] بخاری ومسلم
[4] ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مسند احمد
[5] ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک حاکم وتلخیص الحبیر ابن حجر
[6] صحیح بخاری ومسلم

⑦ عورتوں اور بچوں کو بھی عیدگاہ جانا چاہیئے ۔ [1]

⑧ پیدل اور سوار ہو کر دونوں طرح عیدگاہ جانا جائز ہے۔ [2]

⑨ عیدگاہ جانے اور آنے کا راستہ بدل لینا چاہیئے ۔ [3]

⑩ تکبیراتِ عید:

(ا) ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَر كَبِيراً)) [4]

(ب) ((اَللّٰـهُ اَكْبَـرُ، اَللّٰـهُ اَكْبَـرُ، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)) [5]

⑪ عیدالفطر کے دن، گھر سے نکلنے سے لیکر خطبہ شروع ہونے تک اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر نو ذوالحج (یومِ عرفہ) کی صبح سے لیکر ۱۳ ذوالحج کی عصر تک تکبیریں کہتے رہیں۔ [6]

⑫ نمازِ عیدالفطر کا وقت سورج کے دو نیزے اور عیدالاضحیٰ کا ایک نیزہ بلند ہونے سے شروع ہوجاتا ہے۔ [7]

⑬ نمازِ عید کی دو رکعتوں سے پہلے یا بعد میں کوئی سنت ونفل نماز ثابت نہیں ۔ [8]

⑭ نمازِ عید سے واپس لوٹ کر اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ [9]

⑮ نمازِ عید کیلئے نہ آذان ہے، نہ اقامت۔

⑯ نمازِ عید کی صرف دو رکعتیں ہیں۔ [10]

⑰ نمازِ عید کی دو رکعتیں عام دو رکعتوں کی طرح ہی پڑھی جاتی ہیں۔صرف پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ اور دعاءِ استفتاح کے بعد سات اور دوسری رکعت میں تکبیرِ قیام یا تکبیراتِ انتقال کے بعد

---

[1] صحیح بخاری ومسلم
[2] صحیح بخاری ومسلم
[3] مصنف عبدالرزاق
[4] مصنف ابن ابی شیبہ
[5] فتح الباری
[6] التلخیص والارواء وفقہ السنہ
[7] بخاری ومسلم
[8] ابن ماجہ، ابن خذیمہ، بیہقی، مسند احمد
[9] زادالمعاد، فقہ السنہ
[10] صحیح بخاری ومسلم

پانچ تکبیریں اضافی کہی جاتی ہیں، جنہیں تکبیراتِ زوائد کہا جاتا ہے۔ [1]

⑱ احناف کے یہاں تکبیراتِ زوائد صرف چھ ہیں۔ تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد۔ لیکن اسکی دلیل والی روایت ضعیف ہے۔ [2]

⑲ یہ تکبیراتِ زوائد سنت ہیں اور اگر بھول کر چھوٹ جائیں، تو اس پر سجدۂ سہو بھی نہیں ہے۔ [3]

⑳ ان تکبیرات کے مابین کوئی ذکر و دعاء نبی ﷺ سے تو ثابت نہیں، البتہ ایک اثر میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر دو تکبیروں کے مابین:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہیں۔ [4]

㉑ ان تکبیراتِ زوائد کے ساتھ ہر مرتبہ رفع یدین کرنا (دونوں ہاتوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانا) چاہیئے۔ [5]

البتہ بعض علماء نے جنازہ وعیدین کی تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کی عدمِ سنّیت کے قول کو صحیح تر قرار دیا ہے۔ [6]

㉒ نمازِ عید کی قراءت جہری ہے۔ [7]

㉓ نمازِ عید کے بعد امام کو خطبہ دینا چاہیئے۔ [8]

㉔ خطبہ کا آغاز مسنون خطبہ سے ہی کرنا چاہیئے۔ [9]

جن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تکبیرات سے آغاز ہو وہ ضعیف ہیں۔ [10]

---

[1] ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، دارقطنی، مسند احمد، معانی الآثار طحاوی، مصنف ابن ابی شیبہ

[2] عون المعبود، تحفۃ الاحوذی، نیل الاوطار، الفتح الربانی

[3] المغنی، نیل الاوطار

[4] بیہقی، معجم طبرانی کبیر

[5] مسند احمد، طیالسی، دارمی، بیہقی وغیرہ

[6] تمام المنۃ، الارواء

[7] صحیح مسلم

[8] صحیح بخاری و مسلم

[9] زادالمعاد

[10] ابن ماجہ، بیہقی، مستدرک حاکم، المغنی، زادالمعاد، الارواء، فقہ السنہ

㉕ عیدین کا خطبہ ایک ہی مسنون ہے، جمعہ کی طرح دو نہیں۔ [۱]

㉖ عیدگاہ میں منبر لیجانا جائز نہیں، امام ویسے ہی کھڑے ہو کر خطبہ دے۔ [۲]

㉗ عید کا خطبہ سننا سنت ہے۔ [۳]

اگر کسی کو عذر و ضرورت ہو، تو بلا سنے نکل آنا جائز ہے۔ [۴]

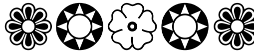
㉘ عید کی نماز کے لیئے بھی دوسری جماعت کروائی جا سکتی ہے۔ [۵]

㉙ عید مبارک کہنے کے لیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو:

((تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ)) کہا کرتے تھے۔ [۶]

㉚ نمازِ عید کے بعد معانقہ (گلے ملنا) ثابت نہیں۔ [۷]

㉛ عید و جمعہ ایک ہی دن میں آجائیں تو جمعے کی فرضیّت ساقط ہو جاتی ہے۔ [۸]



[۱] الارواء، فقہ السنہ
[۲] بخاری ومسلم
[۳] صحیح بخاری ومسلم
[۴] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، دارقطنی، بیہقی، مستدرک حاکم
[۵] صحیح بخاری
[۶] فتح الباری، تمام المنّہ
[۷] فتاویٰ علاّمہ شمس الحق عظیم آبادی، صاحبِ عون المعبود
[۸] صحیح بخاری، ابوداود، ابن ماجہ، نسائی، ابن خذیمہ، بیہقی، مسند احمد، مستدرک حاکم

مصادر ومراجع

۱ قرآن کریم مع متعدد اردو تراجم
۲ صحیح البخاری مع فتح الباری
۳ صحیح مسلم مع شرح النووی
۴ الفتح الربانی ترتیب مسند احمد للبناّ
۵ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی للبناّ
۶ صحیح الجامع الصغیر للالبانی
۷ ارواء الغلیل للالبانی
۸ منتقی الاخبار مع نیل الاوطار
۹ مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی
۱۰ نیل الاوطار للشوکانی
۱۱ فقہ السنّہ سید سابق
۱۲ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی
۱۳ مصنّف ابن ابی شیبہ
۱۴ صلوٰۃ التراویح عربی للالبانی
۱۵ صلوٰۃ التراویح ترجمہ (مولانا صادق خلیل)
۱۶ القول المقبول حافظ عبدالرؤف تخریج
۱۷ صلوٰۃ الرسول ﷺ مولانا حکیم صادق سیالکوٹی
۱۸ ریاض الصالحین للنووی
۱۹ نصب الرایہ تخریج احادیث الھدایہ للزیلعی
۲۰ مجموع فتاوی دار الافتاء السعودیہ
۲۱ مؤطا امام محمد
۲۲ قبولیتِ عمل کی شرائط از مؤلف
۲۳ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری
۲۴ تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری
۲۵ مجالس شہر رمضان للعثیمین
۲۶ الفقہ علیٰ المذاھب الاربعہ
۲۷ فتاویٰ الصیام لابن باز
۲۸ سنن ابوداؤد
۲۹ سنن ترمذی
۳۰ سنن نسائی
۳۱ سنن ابن ماجہ
۳۲ صحیح ابن حبان۔
۳۳ صحیح ابن خذیمہ
۳۴ سنن کبریٰ بیہقی
۳۵ مختصر قیام اللیل للمروزی
۳۶ التعلیق الممجد علیٰ مؤطا امام مالک
۳۷ مجمع الزوائد امام ہیثمی
۳۸ مؤطا امام مالک مع تنویر الحوالک
۳۹ تقریب التہذیب لابن حجر
۴۰ الاذکار امام نووی
۴۱ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ
۴۲ ماہنامہ الدعوۃ الریاض۔ وغیرہ

۴۳ فتح القدیر شرح ہدایہ ابن الہمام
۴۴ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ
۴۵ اوجز المسالک شرح مؤطا مالک
۴۶ مسک الختام نواب صدیق حسن خان
۴۷ در المختار علاّمہ طحطاوی
۴۸ رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی
۴۹ فتاویٰ علماء حدیث مولانا علی محمد سعیدی
۵۰ رکعاتِ تراویح مولانا کرم الدین سلفی
۵۱ رکعاتِ نماز پنجگانہ از مؤلف
۵۲ تلخیص الحبیر ابن حجر
۵۳ سنن دار قطنی
۵۴ خطبات مولانا مودودی
۵۵ فتاویٰ کبریٰ ابن تیمیہ
۵۶ زاد المعاد ابن القیم
۵۷ ہفت روزہ الاعتصام لاہور
۵۸ بہشتی زیور مولانا تھانوی
۵۹ صحیح ابی داؤد للالبانی
۶۰ موطأ مالک
۶۱ مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی
۶۲ سنن دارمی
۶۳ عون المعبود شرح ابوداؤد
۶۴ قربانی وعیدین از مؤلف
۶۴ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ
۶۵ ماہنامہ منار الاسلام ابوظہبی
۶۶ ماہنامہ البلاغ کویت
۶۷ بدایۃ المجتہد لابن رشد
۶۸ المغنی لابن قدامہ
۶۹ تفسیر ابن کثیر اردو
۷۰ ماہنامہ مجلّہ رابطہ عالم اسلامی جدہ
۷۱ مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاع
۷۲ حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ
۷۳ اللؤلؤ والمرجان محمد فواد عبد لباقی
۷۴ روزنامہ جنگ لاہور
۷۵ ہفت روزہ الاسلام لاہور
۷۶ الترغیب والترہیب للمنذری
۷۷ تفسیر احسن البیان حافظ صلاح الدین یوسف
۷۸ ہفت روزہ اہلحدیث لاہور
۷۹ المجموع شرح المذب للنووی
۸۰ تمام المنّۃ للالبانی
۸۱ الروضہ الندیہ نواب صدیق حسن خان
۸۲ مستدرک حاکم
۸۳ مصنّف عبد الرزاق
۸۴ فتاویٰ علاّمہ شمس الحق عظیم آبادی

فہرستِ مطبوعاتِ توحید پبلیکیشنز (بنگلور)

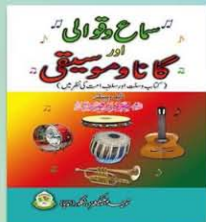
نمبر	کتاب	نمبر	کتاب
1	بدعات اوران کا تعارف	17	سماع وقوالی اور گانا وموسیقی
2	نمازِ پنجگانہ کی رکعتیں مع نمازِ وتر	18	نماز میں کی جانے والی غلطیاں اور کوتاہیاں
3	مختصر مسائل واحکامِ رمضان، روزہ اورزکوٰۃ	19	آدابِ دعاء (شرائط، اوقات، مقامات)
4	مختصر مسائل واحکامِ طہارت ونماز	20	رَفْعُ الْیَدَیْن؛ دلائل وتحقیق
5	زیارتِ مدینہ منوّرہ۔ احکام وآداب	21	جنتی عورت
6	ٹوپی وپگڑی سے یا ننگے سر نماز؟	22	مختصر مسائل واحکام نمازِ جنازہ
7	جشنِ عیدِ میلاد؛ یومِ وفات پر!	23	عملِ صالح کی پہچان
8	دنیوی مصائب ومشکلات (حقیقت، اسباب، ثمرات)	24	ارکانِ ایمان (ایک تعارف)
9	مختصر مسائل واحکامِ حج وعمرہ اور قربانی وعیدین	25	فضائلِ رمضان وروزہ
10	دین کے تین اہم اصول مع مختصر مسائلِ نماز	26	براءۃِ اہلِ حدیث
11	استقامت (راہِ دین پر ثابت قدمی)	27	خوشگوار زندگی کے ⑫ اصول
12	شکوک وشبہات کا ازالہ	28	امامت کے اہل کون؟
13	دعوۃ الی اللہ اور داعی کے اوصاف	29	اندھی تقلید اور تعصّب میں تحریفِ کتاب وسنت
14	تعویذ گنڈوں اور جنّات وجادو کا علاج	30	تلاشِ حق کا سفر
15	نمازِ تراویح (حرم میں تراویح اور علماء کے فتاویٰ)	31	مُعَوِّذَتین ☆ فضائل، برکات، تفسیر
16	مَردوزَن کی نماز میں فرق؟	32	جہیز اور جوڑے کی رسم

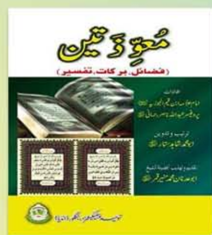
اگر آپ ان کتابوں کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس پتے پر رابطہ قائم کریں:

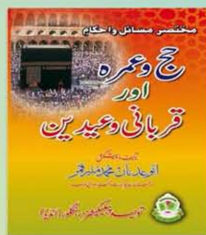
Email to: tawheed_pbs @hotmail.com

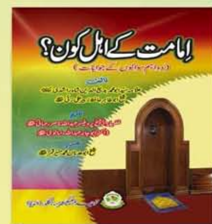
ہماری دیگر معیاری مطبوعات













RAMADAN O ROZA

Ahkaam O Masail;Tahqeeq O Dalail



Published By

توحید پبلیکیشنز

Tawheed Publications

#43,S.R.K.Garden,Bangalore-41

Email: tawheed_pbs@hotmail.com

URDU

34

Read "Tawheed Publications" Books for authentic information about Islam